ISSN 2320-8600

اکتوبر - نومبر - دسمبر 2020

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

چھ ورقی المجیب کیلنڈر

₹ 60/- Size : 17x22.5

2021ء کے لئے واضح اور جلی حرفوں میں قمری و انگریزی تاریخوں کے ساتھ خوبصورت و خوش منظر چھ ورقی المجیب کیلنڈر منظر عام پر آگیا ہے، جس میں سرکاری و مذہبی تہواروں کے علاوہ مشہور و معروف بزرگان دین کے اعراس و تاریخ وصال کی مکمل نشاندہی ہے، خصوصاً خانقاہ مجیبیہ کے سبھی قل و اعراس کی تاریخیں سرخ حرفوں میں لکھی گئی ہیں۔

کیلنڈر کا انداز انوکھا، کاغذ عمدہ اور طباعت پرکشش و دیدہ زیب ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے صرف **-/60** روپے میں جلد طلب فرما کر بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور اپنے گھروں کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔

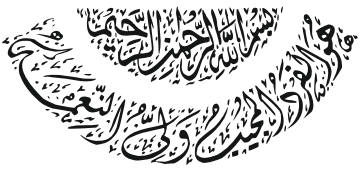

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی و ادبی مجلہ

ماہ : ربیع الاول — جمادی الاول ۱۴۴۲ھ

ماہ : اکتوبر — دسمبر ۲۰۲۰ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۰ ✦ شمارہ نمبر ۴

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/50 روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان و بنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر ''المجیب'' دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

رابطہ : +91-9006306098

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 8757550786

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- جمعہ اور عیدین کے کچھ مسائل — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی — ۵
- حافظ شیرازیؒ: قابل تقلید شخصیت — سید محمد نیر رضوی — ۱۳
- مولانا قاضی سید عبید اللہ قادریؒ امجھری — پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری — ۲۶
- اسلام کا معاشرتی و سماجی نظام — ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — ۳۸
- مرا چون گذر بر عراق اوفتاد (سفر نامۂ عراق) — پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ۷۲
- قونیہ کا سفر اور مولانا روم کی تربت پر حاضری — طلحہ نعمت ندوی — ۹۴
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن.....) — وارث ریاضی — ۹۸

ادبیات

- قند پارسی — حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ — ۱۰۵
- نعت شریف — امان خاں دل — ۱۰۶
- نعت پاک — وارث ریاضی — ۱۰۷
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۱۰۸

لمعات

• ظفر حسنین

گذرے ہوئے سال کے تین سو پینسٹھ دن — تاریخ کے اوراق سے کبھی نہیں مٹ سکیں گے، شاید سالوں نہیں، بلکہ صدیوں میں بھی ایسا سال آتا ہو جو اپنے پیچھے لامتناہی رنج وغم، کرب والم اور تباہی و بربادی چھوڑ گیا ہو۔ پوری دنیا اس سال سے متاثر رہی، حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا جو اس کے مضر اثرات سے مکمل طور سے محفوظ رہا ہو، چھوٹے چھوٹے بے اثر ممالک سے لے کر طاقتور ترین ممالک بھی مہلک سے مہلک ایٹمی ہتھیار رکھنے کے باوجود کرونا کے اس ننھے وائرس کے آگے مجبور و بے بس صرف اپنے شہریوں کی لاشیں گنتے رہے — ایک دو نہیں بلکہ کروڑ سے زیادہ لاشیں ان کی بے بسی کا مذاق اڑاتی رہیں۔

اس تباہ کن ننھے وائرس نے نہ مشرق دیکھا نہ مغرب، نہ اتر دیکھا نہ دکھن، نہ پہاڑی کی اونچی اونچی چوٹیاں دیکھیں، نہ سمندر کی گہرائیاں — بس دیکھا تو صرف سانس لیتا انسان، وہ جہاں ملا اُسے تباہ کر دیا۔ تباہی و بربادی کا یہ عالم تھا کہ دیکھتے دیکھتے تقریباً ایک کروڑ انسان اس کی زد میں آ کر موت سے ہم کنار ہو گئے۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ دنیا انسانوں سے خالی ہو جائے گی، پھر اللہ کی رحمت ہوئی اور اس کا زور کم ہوا، خطرہ ابھی باقی ہے اور نئی نئی شکلوں میں یہ وبا ابھی بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔

دوسرے ممالک کی طرح اپنے ملک میں بھی یہ وبا تیزی سے پھیلی اور ہزاروں ہزار افراد اس کا شکار ہو گئے، خدا کا شکر ہے کہ جلد ہی یہاں اس پر قابو پا لیا گیا اور کثیر آبادی کی وجہ سے یہاں جس تباہی کا خدشہ تھا، ملک اس سے محفوظ رہا، اس کے لیے ہندوستانی عوام کی تعریف کرنی چاہیے کہ انہوں نے ہر طرح کی تکلیف جھیلی لیکن حکومت کے بتائے ہوئے تحفظ کے طریقوں پر سختی سے قائم رہے، جس کی وجہ سے ملک بہت بڑے جانی نقصان سے محفوظ رہا۔

اس تباہی اور بربادی کے دور میں ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور اور اہم رہا، جہاں ملک میں ایسی تباہی اور بربادی

پھیلی ہوئی تھی وہیں شر پسند عناصر بھی اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے، انہیں کسی کے مرنے یا جینے کی فکر نہیں تھی، انہیں فکر تھی اس ملک کی فضا خراب کر کے فساد کرانے کی، یہی وجہ تھی کہ تبلیغی جماعت کا ہوا کھڑا کر کے اور ملک کی قابل نفرت میڈیا کو ملا کر ملک کے مسلمانوں کے خلاف باضابطہ مہم چلائی گئی اور انہیں اس مہلک وبا کا پیدا کرنے والا اور پھیلانے والا بتایا گیا— لیکن اللہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے، وہ شر سے خیر پیدا کرنے والا ہے، اُسی قادر مطلق نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کو کھڑا کر دیا کہ وہ آگے آئیں اور مصیبت کی اس گھڑی میں لوگوں کی مدد کریں، چنانچہ تبلیغی جماعت والوں سے لے کر بہت سارے مسلمانوں نے اپنا پلازما دے کر لوگوں کی جان بچائی۔ یہ ایک ایسا قدم تھا جس کی ساری دنیا نے تعریف کی اور جو لوگ ان کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ نہ صرف نادم ہوئے، بلکہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، یہاں تک کہ اس ملک کی عدلیہ نے بھی ان فسادیوں کی، تبلیغی جماعت والوں پر مقدمہ کرنے والوں کی اور حکومت کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور سارے ملکی وغیر ملکی مسلمانوں کو باعزت بری کر دیا۔ یہ حق کی بڑی فتح تھی جس پر ہم جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

****

کرونا کی اس وبا نے ملک کو بڑے بڑے نقصانات پہنچائے، ہر میدان میں اس کی پہنچائی ہوئی بڑی تباہی دیکھنے کو ملی۔ سیاست، صحافت، ادب، فلم کوئی بھی میدان اس سے محفوظ نہ رہا، سیاسی دنیا سے بڑی بڑی ہستیاں اٹھ گئیں، ادبی میدان، نامور شعراء، ادیب، افسانہ نگار اور شعر و ادب کے جاں نثاروں سے محروم ہو گیا، مذہبی اور دینی حلقہ تو جیسے یتیم ہو گیا۔ اچانک بڑے بڑے علمائے کرام، مشائخ اور دینی ہستیاں داغ مفارقت دے گئیں، ہم کس کس کا تذکرہ کریں، کس پر روئیں اور کس کس کا ماتم کریں۔ ہم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں، جنہیں اس موذی مرض نے ہم سے چھین لیا، ان کے علاوہ بھی کتنے مخلص اور دینی رہنماؤں سے ہم محروم ہو گئے، یہ ایک دور تھا محرومی اور بے بسی کا۔ اب ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ یہ دور دوبارہ نہ دکھائے— آمین۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

جمعہ اور عیدین کے کچھ مسائل

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

یہ مضمون بعض دانشور حضرات کے استفسار پر اس سال رمضان میں تحریر کیا گیا تھا۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اب نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت کی جارہی ہے۔۔۔(ادارہ)

ایک غیر معروف مقرر صاحب کی مختصر تقریر کی ایک ویڈیو دیکھنے کو ملی جو عید کی نماز سے متعلق تھی۔ صحیح بخاری کی روشنی میں وہ گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے ان کی پیش کردہ باتوں پر اطمنان نہیں ہوا تو میں نے ان کے حوالوں کی تحقیق کی تو مسئلہ منقح ہو کر سامنے آیا۔ اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

مقرر صاحب کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جس طرح جمعہ کی نماز جماعت سے نہیں مل سکے تو ظہر کی نماز ادا کی جاتی ہے، اسی طرح اگر عید کی نماز جماعت سے نہیں مل سکے تو تنہا دو رکعت پڑھ لیں، عید ادا ہو جائے گی۔

(۲) جس کی جماعت کے ساتھ نماز عید چھوٹ جائے اس کا تنہا عید کی نماز ادا کرنا درست ہے۔

(۳) عید کی قضا بھی دو رکعت ادا کرے گا۔

(۴) عورتیں بھی گھروں میں عید کی نماز ادا کریں گی۔

(۵) شہر اور دیہات سب جگہ عید کی جماعت ہوگی۔

اس کے لئے انہوں نے صحیح بخاری اور شرح صحیح بخاری حافظ ابن حجر (یعنی فتح الباری) کا حوالہ دیا ہے۔

ان کی پیش کردہ باتوں پر غور کرنے سے پہلے اس کا ذکر ضروری ہے کہ سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر محدث ہیں، فن حدیث میں ان کا بلند مقام ہے۔ ان کی روایات اعلی درجہ کی سند پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان کے اخلاص، ان کے تقوی، فن رجال میں ان کی مہارت اور اپنی کتاب صحیح بخاری میں سند والی اعلی درجہ کی صحیح احادیث جمع کرنے کے لئے ان کی محنت شاقہ

نے ان کی کتاب کو عظیم مقبولیت عطا کی اور ان کی کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلائی۔لیکن یہاں درج ذیل امور پر توجہ ضروری ہے۔

(۱) محققین کے نزدیک اعلی معیار کے صحیح ہونے کا یہ درجہ ان کی ان روایات کو حاصل ہے جو سند کے ساتھ اس کتاب میں مروی ہیں۔کیونکہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کا دارومدار اس کی سند پر ہوتا ہے۔ان کے بعد آنے والے محدثین و ناقدین حدیث نے ان کی سند والی روایات کو اعلی معیار پر پایا ہے اس لئے اس کو اعلی مقام دیا ہے۔

(۲) لیکن وہ تمام روایات جو انہوں نے بغیر سند کے ذکر کی ہیں ان کا یہ درجہ نہیں ہے۔کیونکہ ان کی سند اس کتاب میں موجود نہیں ہے۔حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کی سند دیکھی جائے گی۔اگر ان کی سند صحیح ہونے کی شرائط پر پوری اترتی ہیں تو وہ بھی صحیح ہوں گی ورنہ ان کا درجہ کم ہوگا۔صرف صحیح بخاری میں مذکور ہونے کی وجہ سے ان کو صحیح نہیں کہا جائے گا۔

(۳) صحیح بخاری میں روایات کے علاوہ امام بخاری کے اپنے اجتہادات بھی ہیں۔امام بخاری سے قبل ائمہ اربعہ گزرے ہیں۔امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔امام شافعی کی وفات ۲۰۵ھ میں ہوئی۔امام احمد بن حنبل کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔امام بخاری امام احمد بن حنبل کے شاگرد بھی ہیں۔اس لئے ائمہ اربعہ کے مقلدین کے لئے امام بخاری کے اجتہاد کی تقلید ضروری نہیں ہے۔وہ اپنے امام کی تقلید کریں گے۔

امام بخاری کا اصل مقام فن حدیث میں ہے۔تفقہ واجتہاد میں وہ ائمہ اربعہ کے درجہ کو نہیں پہنچتے۔اسی لئے ائمہ اربعہ کی طرح ان کے مقلدین نہیں ہوئے۔لہذا امام بخاری کا اجتہاد دوسرے ائمہ اور ان کے مقلدین کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا۔

اب مقرر صاحب کے دلائل پر نظر ڈالتے ہیں۔انہوں نے امام بخاری کا اجتہاد نقل کیا ہے کہ انہوں نے کتاب میں ایک باب کا عنوان یہ رکھا ہے۔باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین یعنی عید کی نماز چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز پڑھ لے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس باب میں امام بخاری نے اس مضمون کی کوئی حدیث نبوی روایت نہیں کی۔کیونکہ ذخیرہ احادیث میں یہ کہیں نہیں ملتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو کہ جس کی نماز عید چھوٹ جائے وہ تنہا دو رکعت پڑھ لے۔

امام بخاری نے اس باب میں دو حدیث نبوی پیش کی ہے جو عنوان باب سے غیر متعلق ہیں۔پہلی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں اس کا ذکر ہے کہ ایام منی (یعنی بقرعید) کے موقع پر کچھ بچیاں دف بجارہی تھیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر آرام فرمارہے تھے۔اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے یہ دیکھا تو ان کو ڈانٹا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایام عید ہیں،ان کو گانے دو۔

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حبشی لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے اور حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چھپ کر ان کو دیکھ رہی تھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگئے۔ انہوں نے حبشیوں کو منع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اسی طرح روک دیا۔

ان دونوں احادیث کا عنوان باب (عید کی نماز چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز پڑھ لے) سے کیا تعلق ہے؟ شارحین حدیث نے تاویلات وتوجیہات کرکے کوئی ربط ڈھونڈا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان روایات نبوی سے عنوان باب کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

امام بخاری نے عنوان باب کے مطابق اپنا ایک اجتہاد اور تین آثار (صحابہ کرام وتابعین کے اقوال واعمال) پیش کئے ہیں۔ ان کے اجتہاد کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے آثار کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ آثار ایک صحابی کا عمل اور دو تابعین کے اقوال ہیں۔ تینوں بغیر سند کے ہیں۔

(۱) امر انس بن مالك مولاهم ابن ابی عتبة بالزاوية فجمع اهله وبنيه وصلى كصلاة اهل المصر وتكبيرهم۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے زاویہ میں (وہ گاؤں جہاں ان کا قیام تھا) ابن ابی عتبہ کو حکم دیا، انہوں نے سب اہل وعیال کو جمع کیا اور ان کو تکبیرات کے ساتھ شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھائی۔ اس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ دیہاتوں میں بھی گھر کے لوگوں کو جمع کرکے عید کی نماز ہوگی، یہ اثر بخاری میں سند کے بغیر مذکور ہے۔

(۲) وقال عكرمة: اهل السواد يجتمعون فی العيد يصلون ركعتين كما يصنع الامام۔

حضرت عکرمہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ دیہات والے بھی جمع ہوکر دو رکعت عید کی نماز پڑھیں گے جیسے (شہروں میں) امام پڑھاتا ہے۔ یہ اثر بھی بغیر سند کے مذکور ہے۔

(۳) وقال عطاء: اذا فاته العيد صلى ركعتين۔

تابعی حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جس کی عید چھوٹ جائے وہ دو رکعت نماز پڑھ لے، یہ اثر بھی سند کے بغیر مذکور ہے۔

یہ تینوں آثار سند کے بغیر مذکور ہیں۔ صحیح بخاری میں ہونے کے باوجود ان کا وہ درجہ نہیں ہے جو بخاری کی سند والی روایات کا ہوتا ہے، دوسری کتابوں میں ان کی سند دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ ان کا درجہ کیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

لاجمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع۔ (بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مشکل الآثار للطحاوی وغیرہ)

اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ صرف شہر یا قصبات میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوگی۔ چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ اور عیدین نہیں ہوں گی۔

حضرت عطاء تابعی کا قول کہ عید چھوٹ جائے تو دو رکعت پڑھ لو۔ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ عید کی قضاء ہے یا عام نفل ہے؟ اگر عید کی قضاء ہے تو واجب ہوگی کیونکہ عید واجب ہے اور اگر چاشت کی نماز ہے تو نفل ہے۔ اس میں اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

اس کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ملتا ہے۔

من فاته العيد فليصل اربعا۔ جس کی عید کی نماز چھوٹ جائے وہ چار رکعت پڑھ لے ۔۔۔ (المعجم الكبير للطبراني)

خود حضرت ابن مسعودؓ عید کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔ انه يصلي بعد العيدين اربعا ۔۔۔ (المعجم الكبير للطبراني)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عید کی جماعت چھوٹ جانے پر چار رکعت چاشت کی نماز کا حکم ہے، یہ نفل ہے۔ عید کی قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عید کی نماز کے بعد بھی اس کو پڑھتے تھے۔

اس کے بعد ہم امام بخاری کے اجتہاد کی طرف آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

باب اذا فاته العيد يصلي ركعتين، و كذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى لقول النبي صلى الله عليه وسلم هذا عيدنا اهل الاسلام ۔۔۔ (صحيح البخاری)

یعنی جس کی عید کی نماز چھوٹ جائے وہ دو رکعت نماز پڑھے۔ اسی طرح عورتیں اور گھروں میں دیگر لوگ اور دیہات والے بھی دو رکعت پڑھیں۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ یہ ہماری عید ہے اے اہل اسلام! یعنی اہل اسلام میں سب شامل ہیں، اس لئے سب کو عید کی نماز پڑھنی چاہیے۔

حالانکہ جس موقع پر یہ جملہ حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہاں عید کی نماز کا ذکر نہیں تھا بلکہ دف بجا کر بچیوں کا گانا ہو رہا تھا، اس لئے یہ استدلال محل نظر ہے۔ دوسری طرف فقہاء احناف صراحت کرتے ہیں کہ جمعہ اور عید کی نماز عورتوں پر واجب نہیں ہے، گاؤں، دیہات میں جمعہ اور عید نہیں ہے۔ اس کی دلیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت پیش کرتے ہیں۔

مقرر صاحب نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے دو چیزیں بیان کی ہیں:

(۱) عید کی جماعت چھوٹ جانے والوں کو عید کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ یعنی عید کی قضاء ہے۔

(۲) جمعہ چھوٹ جانے پر چار رکعت ظہر پڑھتے ہیں اور عید چھوٹ جانے پر دو رکعت پڑھیں گے۔

ہم جب فتح الباری شرح بخاری دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مقرر صاحب نے عبارت کا مطلب سمجھا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر امام بخاری کی مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم بیان کر رہے ہیں۔ اپنا مسلک ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

کیونکہ اس کے بعد وہ ان دونوں باتوں میں فقہاء کرام کا اختلاف نقل کررہے ہیں۔

عید کی نماز کی قضاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وخالف فی الاول جماعة منهم المزنی فقال: لایقضی۔

پہلی بات یعنی عید کی قضاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہے جن میں امام مزنی (جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں) بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عید کی قضاء نہیں ہے۔ (احناف بھی یہی کہتے ہیں)

اور دو رکعت پڑھنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی الثانی الثوری واحمد، قالا ان صلاها وحده صلی اربعا۔

دوسری بات یعنی دو رکعت نماز پڑھنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام سفیان ثوری اور امام احمد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر تنہا پڑھے گا تو چار رکعت پڑھے گا۔ (یعنی قضاء نہیں بلکہ چاشت پڑھے گا)

حافظ ابن حجر مزید لکھتے ہیں:

ولهما فی ذلك سلف، قال ابن مسعود: من فاته العید مع الامام صلی اربعاً، اخرجه سعید بن منصور باسناد صحیح – (فتح الباری)

یعنی امام سفیان ثوری اور امام احمد سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے کہ امام کے ساتھ جس کی عید چھوٹ جائے وہ چار رکعت پڑھے، اس کو صحیح سند سے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔

مقرر صاحب نے امام بخاری سے متقدم فقہاء اور صحابہ کرام کے ان تمام اقوال کو چھوڑ دیا اور صرف امام بخاری کا قول لے کر فیصلہ کردیا کہ عید کی نماز کی قضاء ہے اور وہ دو رکعت ہے۔ عورتیں اور گھروں میں لوگ اور دیہاتوں کے لوگ بھی عید کی نماز پڑھیں گے۔ مزید یہ کہ حافظ ابن حجر کو بھی ان کا حامی قرار دیدیا۔ یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔

اصل میں یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں جو کچھ ہے سب صحیح ہے، چاہے وہ منقطع روایات ہوں یا امام بخاری کے اجتہادات۔ جب کہ اوپر میں نے وضاحت کی ہے کہ صرف سند والی روایات اعلی درجہ کی صحیح مانی گئی ہیں، باقی کے بارے میں احتمالات ہیں۔

جوابات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) عید کی نماز کی کوئی قضاء نہیں ہے۔

(۲) کسی کی عید کی نماز جماعت کے ساتھ چھوٹ جائے تو اس کی عید کی نماز فوت ہوگئی۔

(۳) عید کی جماعت چھوٹنے پر چاشت کی نماز پڑھے گا۔ چار رکعت۔ یا بعض حضرات کے نزدیک دو رکعت، لیکن یہ عید کی قضاء نہیں ہے کیونکہ عید کی نماز واجب ہے اور چاشت کی نماز نفل ہے۔

(۴) عورتیں گھروں میں عید کی نماز تنہا نہیں ادا کریں گی۔عید کی نماز تنہا نہیں ہے۔البتہ چاشت پڑھ سکتی ہیں۔

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کی بنیاد پر جمعہ وعیدین کی نماز دیہاتوں میں نہیں ہے،وہاں ظہر پڑھی جائے گی۔

اس وقت کے حالات اور حکومت کی طرف سے شدید ممانعت کی وجہ سے مسجد کے بند دروازے اندر،نیز گھروں میں چار یا اس سے زیادہ افراد کے ساتھ جمعہ اور عیدین کی جماعت کی اجازت اس وقت کے اہل افتاء نے دی ہے، جو اس جماعت میں بھی شریک نہیں ہوسکتا وہ چاشت کی نفلی نماز پڑھ لے۔

بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ان کے نزدیک گھروں میں یا مساجد کو بند کرکے اس کے اندر کچھ افراد کے ساتھ جمعہ اور عیدین کی نمازیں نہیں پڑھ سکتے ہیں۔کیونکہ جمعہ اور عیدین کے لئے اذن عام ضروری ہے اور یہ مساجد میں ہی ہوسکتی ہیں۔اس لئے اذن عام نہ ہونے کی وجہ سے مساجد کو بند کرکے اس کے اندر پڑھنا درست نہیں ہے اور مسجد نہ ہونے کی وجہ سے گھروں میں پڑھنا درست نہیں ہے۔

ہم ان حضرات کی دونوں باتوں (جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے اور جمعہ کے لئے مسجد ضروری ہے) کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی بات کہ جمعہ اور عیدین کے لئے اذن عام ضروری ہے۔یہ اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں اذن عام شرط ہے۔فقہاء کرام اس کی صراحت کرتے ہیں کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے شرائط چھ ہیں۔مصر،وقت،سلطان،جماعت،خطبہ، اذن عام۔(خلاصۃ الفتاوی، الدرالمختار،مراقی الفلاح وغیرہ) ان میں سے کوئی ایک شرط نہیں پائی جائے تو جمعہ درست نہیں ہوگا۔اس میں ایک شرط اذن عام بھی ہے۔عیدین کا بھی یہی حکم ہے۔فقہاء احناف کے نزدیک اذن عام کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو جمعہ میں آنے کی عام اجازت ہو،کسی کو اس جگہ آنے سے جہاں جمعہ کی نماز ہورہی ہے روکا نہیں جائے۔

وهو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى ان اميراً لو جمع جيشه فى الحصن واغلق الابواب وصلى بهم الجمعة لاتجزئهم—(بدائع)

الاذن العام أى أن يأذن للناس اذناً عاماً بأن لا يمنع احداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع التى تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الاذن العام بالاشتهار—(ردالمحتار للشامى)

یہ عام حالات کا حکم ہے کہ عام اور نارمل حالات میں جمعہ کی ادائیگی کے لئے اذن عام شرط ہے۔لیکن خصوصی اور معذوری کے حالات میں دوسرا حکم ہوگا۔

اس وقت لاک ڈاؤن کی وجہ سے دنیا کے جو حالات ہیں۔پوری دنیا میں یا اس کے اکثر حصوں میں مساجد میں کھلے عام نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اس پر سختی سے پابندی ہے۔ایسے حالات میں اگر اذن عام کو لازم قرار دیں تو دنیا میں ہر جگہ جمعہ کی نماز ساقط ہوجائے گی۔کیونکہ مسجد کے دروازے بند کرکے اندر کچھ افراد پڑھنا چاہیں تو اذن عام نہیں ہوگا،جس کی وجہ

سے نماز درست نہیں ہوگی۔ تو کہیں نماز جمعہ ہو ہی نہیں سکے گی۔ اگر اذن عام کو ان حالات میں لازم قرار دیں گے تو پوری دنیا سے نماز جمعہ کو ساقط کر دینا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں نماز جمعہ کے لئے اذن عام کے شرط ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے۔ نیز دوسرے ائمہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جمعہ کے لئے اذن عام شرط نہیں ہے۔ یہ صرف فقہاء احناف کا استنباط ہے۔ ظاہر الروایہ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ روایات نوادر میں اس کا ذکر ہے۔ اسی لئے صاحب ہدایہ اور صاحب اختیار نے شرائط جمعہ میں اس کو شامل نہیں کیا ہے۔

وذکر فی النوادر شرطا آخر لم یذکرہ فی ظاھر الروایۃ، وھو اداء الجمعۃ بطریق الاشتھار۔ (بدائع)

واعلم أن ھذا الشرط لم یذکر فی ظاھر الروایۃ، ولذا لم یذکرہ فی الھدایۃ، بل ھو مذکور فی النوادر، ومشی علیہ فی الکنز، والوقایۃ، والنقایۃ، والملتقی، وکثیر من المعتبرات۔ (ردالمحتار، باب الجمعۃ)

جمعہ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کیا قرآن سے ثابت حکم فرض کو آج کے حالات میں اذن عام نہ ہونے کی وجہ سے بالکلیہ ساقط کر دیا جائے گا؟

اذن عام کی شرط ویسی ہی ہے جیسی سلطان کی شرط ہے۔ جن ممالک میں اسلامی حکومت نہیں ہے اور سلطان کی شرط مفقود ہے، کیا وہاں نماز جمعہ کو ساقط کر دیا جائے گا؟ ہندوستان میں سلطان کی شرط نہیں پائے جانے کے باوجود نماز جمعہ پڑھی جاتی رہی ہے اور سب کے نزدیک درست ہے، کیونکہ یہاں اس شرط کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے جمعہ کو جس کی فرضیت دلیل قطعی سے ثابت ہے ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح اس وقت لاک ڈاؤن کے حالات میں اذن عام نہیں ہونے کے باوجود مسجد کے دروازے بند کر کے اندر کچھ افراد امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں تو ان کی نماز درست ہوگی۔

ان حضرات کی دوسری بات کہ جمعہ وعیدین کے لئے مسجد شرط ہے اور جمعہ وعیدین مسجد میں ہی ہو سکتی ہے، یہ بھی درست نہیں ہے۔ جمعہ کے صحیح ہونے کے شرائط جو فقہاء نے تحریر فرمائے ہیں وہ چھ ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، مصر، ظہر کا وقت، سلطان، جماعت، خطبہ، اذن عام۔ عیدین کے صحیح ہونے کے بھی یہی شرائط ہیں سوائے خطبہ کے۔ ان میں جمعہ و عیدین کے مسجد میں ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے جمعہ وعیدین کی نماز مسجد کے علاوہ دوسرے مقام پر بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ عیدین کے بارے میں سنت طریقہ یہی ہے کہ مسجد سے باہر عیدگاہ میں ہو۔ فقہاء کرام کی عبارتوں سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں بھی جمعہ درست ہے۔ صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں۔

وقال ایضاً: لوخرج الامام یوم الجمعة للاستسقاء یدعو، وخرج معه ناس کثیر، وخلف انساناً یصلی بهم فی المسجد الجامع، فلما حضرت الصلوة صلی بهم الجمعة فی الجبانة، وهی علی قدر غلوة من مصره، وصلی خلیفته فی المصر فی المسجد الجامع، قال: تجزئهما جمیعاً۔ (بدائع)

صاحب محیط تحریر فرماتے ہیں:

وفی "نوادر الصلوة "لوأن الامیرخرج للاستسقاء یدعووخرج معه ناس کثیرفحضرت الجمعة فصلی بهم الجمعة فی الجبانة علی قدر غلوة من المصر اجزاهم لأنه فناء المصرولفناء المصر حکم المصر۔ (المحیط البرهانی)

(امام محمد کی کتاب) ''نوادر صلوۃ'' میں ہے۔اگر امیر دعاء استسقاء کے لئے باہر نکلے اور اس کے ساتھ بہت سارے لوگ نکلیں، وہاں جمعہ کا وقت ہو جائے اور امیر کھلے میدان میں ان کو جمعہ کی نماز پڑھادے۔اور یہ میدان شہر سے ایک غلوہ (تین چار سو ہاتھ) کے بقدر دور ہے تو ان کی نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ فناء شہر ہے اور فناء شہر، شہر کے حکم میں ہے۔

بدائع الصنائع اور محیط برھانی کی ان عبارتوں میں صراحت ہے کہ مسجد کے باہر دوسرے مقامات میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے۔اس لئے مسجد سے باہر گھروں میں یا اپارٹمنٹ میں یا کسی بھی جگہ کچھ افراد کے ساتھ جمعہ کی نماز درست ہوگی، البتہ مسجد میں بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرنا مسنون ہے۔

نماز جمعہ وعیدین کے لئے کم ازکم چار افراد (امام کے علاوہ تین افراد) کی جماعت ضروری ہوتی ہے۔اس لئے ایسی مجبوری کی حالت میں اگر چار افراد مل کر کہیں جمعہ قائم کریں تو ان کی نماز درست ہوگی۔

والجماعة وهم ثلاثة رجال غیر الامام۔ (نور الایضاح)

فان اقلها فیها ثلاثة صالحون للامامة سوی الامام ،ومثلهاالعید لقولهم یشترط لها مایشترط للجمعةصحة واداء سوی الخطبة۔ (ردالمحتار للشامی)

خلاصۂ کلام یہ ہے:

(۱) لاک ڈاؤن کے حالات میں مسجد کے دروازے بند کرکے مسجد کے اندر کم ازکم چار افراد کے ساتھ جمعہ وعیدین کی نمازیں پڑھنا درست ہے۔

(۲) اسی طرح حکومتی پابندی کی وجہ سے جو لوگ مسجد نہ پہنچ سکیں وہ اپنے گھروں میں یا اپارٹمنٹ میں یا کسی مناسب مقام میں کم ازکم چار افراد کی جماعت کے ساتھ جمعہ وعیدین پڑھیں۔

(۳) جو لوگ یہ بھی نہ کرسکیں وہ چار رکعت یا دو رکعت چاشت کی نفل نماز پڑھ لیں۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

حافظ شیرازیؒ: قابل تقلید شخصیت

● سید محمد نیر رضوی ـــ سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

مشہور فارسی شاعر ملا جامیؒ نے حافظ شیرازیؒ کی زندگی اور زندگی کی عکاسی پر مشتمل اُن کے تخلیقی کمالات کے پیش نظر نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ ''لسان الغیب'' تھے اور ''ترجمان الاسرار'' تھے۔ عشق حقیقی میں اس قدر ڈوب چکے تھے کہ فنا کو بقا تصور کرتے تھے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی اور محققین نے درست پایا جس کی زندہ مثال ہمارے سامنے ''حافظؔ کے فال'' کی شکل میں آج تک قایم ہے۔ محققین کو بھی حافظؔ پر ناز ہے کہ تحقیق وجستجو کے بعد حافظؔ کے فال کی طرح کسی دوسرے بزرگ کے مستند فال کی نظیر انہیں نہیں مل سکی۔ مگر دوسری جانب محققین نے متوازن طور پر یہ بھی نتیجہ اخذ کیا کہ حافظؔ اپنی جوانی کے دنوں میں وہ حافظؔ نہیں تھے جو اپنی عمر کے تقریباً چالیسویں برس اور اس کے بعد کی عمر میں اُنہیں دیکھا گیا تھا۔ بقول کوثر چاندپوری:

''حافظ عمر کے جن منازل سے گذرے ہیں انہوں نے ان کی نہایت کامیاب ترجمانی اور عکاسی اپنے اشعار میں کی ہے اور یہی ایک بلند پایہ شاعر کی خصوصیت ہے۔ دیوان حافظ کے مطلع کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ شاعری کے آغاز میں ہی انہیں پیر طریقت اور ہادی معرفت کا منصب جلیل مل گیا تھا۔''

محققین نے حافظؔ کے اشعار کے حوالہ سے اپنے بیانات کی تائید کی ہے۔ مثلاً حافظؔ کا ایک شعر دیکھئے جس میں وہ شراب نوشی کی تلقین کرتے نظر آرہے ہیں:

اگر چہ بادہ فرح بخش وباد گلریز است ❁ بہ بانگ چنگ مخور مئے کہ محتسب تیز است

ایران میں نافذ شراب بندی کی پابندیاں اُٹھنے کے بعد حافظؔ کی بے پناہ خوشی دیکھئے:

سحر ز غیبم رسید مژدہ بگوش ❁ کہ دور شاہ شجاع است مئے دلیر بنوش

حافظؔ نے اس شاہ شجاع کی بھی بہت خوب مدح سرائی کی جس نے شراب بندی پر سے پابندیاں ہٹادی تھیں:

عید است وآخر گل و باراں در انتظار ❁ ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ ومئے بیار

شراب نوشی اور اسلام میں عیش وعشرت کے ممنوعہ دیگر لوازم کی حمایت میں حافظؔ کے چند اور اشعار ملاحظہ کیجئے:

شراب تلخ میخواہم کہ مرد افگن بود زورش ❁ کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

شراب لعل می نوشم من از جام زمرد گوں ❁ کہ زاہد افعی وقت است می سازم بدیں کورش

ایسے ہی ایک اور مقام پر اُن کا ایک شعر دیکھئے:

فدائے پیرہن چاک ماہرویان باد ❁ ہزار جام تقویٰ و خرقۂ پرہیز

ایک اور شعر دیکھئے کہ کس طرح وہ شراب نوشی کو فروغ محفل کا وسیلہ تسلیم کرتے نظر آرہے ہیں:

بہیچ وجہ نباشد فروغ مجلس انس ❁ مگر بروئے نگار و شراب انگوری

چند اور اشعار ملاحظہ کیجئے جو دین اسلام میں دیگر لوازمات ممنوعہ سے وابستہ ہیں:

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دومنے ❁ فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

اس ضمن میں حافظؔ کا یہ شعر بھی دیکھئے:

ما عیب کس برندی و مستی نمی کنیم ❁ لعل بتان خوش است و مئے خوش گوار ہم

حافظؔ کا ایسا ہی ایک اور شعر دیکھئے:

گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے ❁ بگذار تا کہ ماہ ز عقرب بدر شود

غرض کہ حافظؔ کی زندگی اور اُن کے کلام میں اس زندگی کی عکاسی کا یہ سلسلہ تقریباً چالیس سال تک برقرار رہا۔ اس چالیس سالہ مدت میں ان کا کلام عشق مجازی کے تمام رنگین اور ایسے ہی دیگر رنگا رنگ عناصر سے ہمکنار ہوتا رہا۔ پھر جب دل کی دنیا بدلی اور حصول دنیا کی حرص و طمع ختم ہوئی تو دل عشق حقیقی اور سلوک و معرفت کے گوناگوں پہلوؤں سے لبریز ہوگیا۔ چنانچہ ''دیوان حافظؔ'' کا آغاز ہی معرفت وحقیقت اور سلوک وطریقت سے ہوتا ہے۔ حافظؔ کے دیوان کا پہلا شعر یعنی مطلع دیکھئے جو معرفت الٰہی میں مکمل طور پر ڈوبا ہوا ہے:

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و نا ولہا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حافظؔ کے بارے میں محققین کی رائے سے اگر اتفاق کر بھی لیا جائے کہ دیوان حافظؔ کا پہلا شعر حافظؔ کی زندگی کا پہلا شعر نہیں ہے تو بھی یہ تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ حافظؔ کا دیوان مرتب کرنے والوں نے تدوین وترتیب کے دوران حافظؔ کے تمام اشعار کے مقابلہ میں اسی شعر کو سب سے زیادہ اہمیت بخشی جو معرفت حق میں پوری طرح ڈوبا ہوا شعر ہے اور عشق حقیقی کی عکاسی کرتا نظر آرہا ہے۔ یہ شعر اپنی معنویت اور اہمیت کے لحاظ سے لافانی شعر ہے۔ حافظؔ کے مداحوں کی فہرست میں ایسے دانشور، علما اور ادبا

یقیناً شامل ہیں جنہیں حافظؔ کا ہر استعارہ، استعارۂ معرفت نظر آتا ہے جبکہ حافظؔ کے بارے میں محققین کی رائے جداگانہ بھی رہی ہے:

''شاعر سے صرف شاعرانہ بلند خیالی کی توقع رکھی جاسکتی ہے، اس میں پیغمبرانہ اوصاف کی تلاش نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی''

بہرحال حافظؔ کی جوانی گذر گئی۔ عمر رفتہ نے آواز دی اور جوانی کے ساتھ زندگی کی وہ سرمستیاں بھی گذر گئیں جس کے لئے انہیں دربار شاہی میں کبھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جب کہ اہل حق انہی سرمستیوں کو بارگاہ الٰہی میں قابل مذمت گناہ قرار دیتے ہیں اور خدا کے روبرو توبہ و استغفار کو راہ نجات تسلیم کرتے ہیں۔ حافظؔ کی زندگی میں اب جس دور کا آغاز ہوا وہ عشق حقیقی اور حق و معرفت کا دور ہے۔

حافظؔ کا عہد شباب رندی و سرمستی میں گذرا، زندگی نے کروٹ بدلی اور رجحان معرفت حقیقت کی جانب ہوگیا۔ خدا نے توفیق بخشی ورنہ اندیشہ ہائے دراز سے کون واقف نہ تھا! قربان جائیے توفیق الٰہی پر! کہاں وہ حافظؔ اور کہاں یہ حافظؔ! غرض حافظؔ اب وہ حافظؔ نہ رہے۔ پہلے جو دل پہ گذرتی تھی وہ رقم کر رہے تھے اور شان امتیاز دیکھیے کہ اب جو کچھ دل پر گذر رہی ہے وہ رقم کر رہے ہیں۔ دیکھئے! اب کیا رقم کر رہے ہیں:

کس ندانست کہ منزل گہ معشوق کجا است ❁ ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

غرض حافظؔ کے دل کی دنیا بدل چکی۔ دل کی دنیا کیا بدلی، سخنور کے کلام کا رنگ تغزل ہی بدل گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حافظؔ کی شاعری اب کمال کو پہنچی کیونکہ حافظؔ کی اصل شناخت اُن کے اُنہی کلام سے ہے جو معرفت و حق میں ڈوبے ہوئے کلام ہیں۔ یعنی حافظؔ کی شاعری کو اب معراج نصیب ہوئی، چنانچہ بدلے بدلے حافظؔ کے اشعار کی اثر آفرینی دیکھئے:

بہ سرجام جم آنگہ نظر توانی کرد ❁ کہ خاک میکدہ کحل بصر توانی کرد

چند اور متفرقات ملاحظہ کیجئے:

آبروی رود اے ابر خطا پوش ببار ❁ کہ بہ دیوان عمل نامہ سیاہ آمدہ ایم

اور ایک یہ شعر بھی بطور خاص:

مشنو سخن دشمن بدخوئے خدا را ❁ باحافظ مسکین خود اے دوست وفا کن

اہل حق فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر! اللہ عزوجل کی شان کبریائی یہی ہے کہ وہ حاکم نہ تو کسی کے تئیں جواب دہ ہے اور نہ ہی کسی کے حکم کا پابند ہے۔ کیوں نوازا۔ کیوں مہربان ہوا۔ کیوں دعا قبول کرلی۔ کب توبہ قبول کرلی۔ کون سی ادا پسند کرلی۔ اہل حق اسے ہی ''سرحق'' کہتے ہیں۔ یہ فیصلہ صرف اور صرف جنت اور جہنم کے مالک کو کرنا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی! آج مختلف مسلک و مشرب کے ماننے والے ایک دوسرے کو جنت اور جہنم کی سند دیتے رہتے ہیں اور حماقت کی سند لیتے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے بنائے کارخانہ میں اللہ کے بندہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ''اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ''، خدا نے ایسا پختہ اور

فطری نظام تشکیل دیا ہے کہ کوئی بھی اس امر ربی میں دخل نہیں دے سکتا کہ نہ تو سورج مغرب سے نکلتا ہے اور نہ چاند مشرق میں ڈوب سکتا ہے۔ لہٰذا نظام رحمت کے تحت جمال الٰہی جس طرح کل نواز رہی تھی اسی طرح آج بھی نواز رہی ہے۔ بس توفیق الٰہی چاہئے! دوسری جانب جلال الٰہی اپنے انصاف کے تقاضوں کے تحت ہی غضبناک ہوا کرتی ہے۔ غرض تقاضائے الوہیت یہی ہے کہ مہربان ہو تو فضل اور غضبناک ہو تو عدل، خدا شیطان پر اس کی نافرمانی کی وجہ سے غضبناک ہوا۔ جس قدر غضبناک ہوا، وہ اس سے کہیں اور، زیادہ غضبناک ہو سکتا تھا مگر سب سے بڑے انصاف پرور بادشاہ کے عدل کا تقاضہ یہی تھا کہ جس قدر اور جتنے طویل عرصہ تک شیطان نے خدا کی عبادت کی، اس کی کچھ گزارشات قبول کر لی جائے۔ چنانچہ مالک یوم الدین نے اس کی کچھ عرضداشت قبول کر لی۔ لہٰذا شیطان بھی اپنا کام کر رہا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں بندۂ خدا کو خدا کے غضب سے قریب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا ہے۔ یہی وہ اسباب وعلل ہیں ہے کہ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام بالخصوص شیوخ درمجیبی نے اس دنیا کو "سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا" سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت آدم پہلے بشر بنائے گئے پھر اللہ نے اُنہیں نبی بنایا۔ ادھر شیطان نے بھی جو راندۂ درگاہ ہو چکا تھا اپنا کام شروع کر دیا۔ نتائج ظہور پذیر ہونے لگے۔ شیطان نے پہلے آدم وحوا سے گناہ سرزد کرایا پھر قابیل سے ہابیل کو قتل کرا ڈالا۔ گناہ کی بنیاد پڑ گئی۔ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد سے حقوق اللہ کے بعد اب حقوق العباد پامال ہوا۔ ان واقعات کے پس منظر اور پیش منظر پر نظر ڈالیئے تو واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ گناہ کا جو سلسلہ قائم ہوا وہ سلسلہ مختلف ادوار میں بالترتیب اپنے اپنے وقت کے تقاضوں کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں قایم رہا اور آج بھی عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت مختلف اشکال میں قایم ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مگر اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو یا تو ابلیس کے بہکاوے میں کبھی نہیں آتے اور اگر آ بھی گئے تو فوراً اللہ سے معافی مانگ لیتے ہیں اور توبہ واستغفار کے تقاضوں کے ساتھ توبہ کرتے اور اپنی توبہ پر قایم رہتے ہیں۔ بے شک! اللہ رحمان ہے اور اپنے بندوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔ خدا کی رحمت ہمیشہ اپنے بندوں پر جلوہ گر رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ جمال الٰہی کا گراف جلال الٰہی کے گراف سے زیادہ بڑا ہے۔

" ان اللہ کتب کتابا یوم خلق السموت والارض ان رحمتی تغلب غضبی و فی روایۃ فھو موضوع عندہ فوق العرش"۔(نہایہ فی الفتن والملاحم :۲۵۱)

اہل حق کو یقین ہے کہ رضائے الٰہی کے بغیر دین و دنیا میں کامیابی نہیں مل سکتی۔ چنانچہ توفیق الٰہی نصیب ہوئی۔ بندۂ گنہگار کا ضمیر بیدار ہوا۔ پھر نا امیدی ختم ہوئی۔ اُمید جاگی "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" مشیت ایزدی کے تحت رحمت الٰہی دیکھئے: وہ باری تعالیٰ! آدم وحوا کی نافرمانی کی وجہ سے ناراض تو ہوا۔ سرزد گناہ کی پاداش میں دونوں کو زمین پر اتار ڈالا۔ مگر ایسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ اس نے اپنی ناراضگی کے سبب حضرت آدمؑ کے سر مبارک سے اُن کو عطا کردہ تاج، تاج نبوت چھین لیا ہو۔ بے شک! اللہ بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا اور بہت معاف کرنے والا ہے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نادم ہوئے۔ توبہ واستغفار کیا اور عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا کی۔

"رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۲۳﴾ — (الاعراف)

ترجمہ : اے پروردگار! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

چنانچہ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور مالک رحمن ورحیم نے توبہ قبول کی۔ حضرت آدمؑ کی دعا قبول ہوئی۔ بارگاہ الٰہی میں یہ پہلی دعا ہے جس نے قبولیت کا درجہ پایا۔ پھر رحمت الٰہی کا ایک اور رخ دیکھئے۔ حقوق اللہ کی پامالی وہ گناہ ٹھہرا کہ مالک چاہے تو معاف فرمادے جبکہ حقوق العباد کی پامالی وہ گناہ ٹھہرا کہ خدا بزرگ و برتر نے اس گناہ کی معافی کو مظلوم کے درگذر کرنے سے وابستہ کر دیا۔ عدل الٰہی کے تحت یہ سلسلہ رحمت قیامت تک کے لئے قایم ہوگیا۔ ثابت ہوا کہ رب العالمین کی رحمت کا گراف اس کے غضب کے گراف سے زیادہ بڑا ہے۔ خدا اپنے بندۂ گنہگار کے نیک اعمال ضایع نہیں کرتا بلکہ عبادت و ریاضت اور توبہ و استغفار کی وجہ سے کئے گئے گناہوں سے اُسے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ خدا ظالم نہیں ہے۔ جابر نہیں ہے۔ وہ مالک حقیقی اپنے عدل وانصاف کے عظیم ترین تقاضوں کے تحت یہاں بھی انصاف کرتا ہے اور آخرت میں بھی انصاف کے انہی تقاضوں پر قایم رہے گا۔ "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝" فطری تقاضا یہی ہے کہ رضائے الٰہی کے واسطے معافی مانگ لی جائے۔ توبہ واستغفار کرلیا جائے۔ "اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عني" یہی وجہ ہے کہ اہل حق مروجہ مخصوص اصولوں کے تحت صبح وشام رشد وہدایت، تلقین وترغیب، توبہ واستغفار اور تطہیر قلب کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ "اللھم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين"۔

مشیت ایزدی کے تحت نزول آدم سے کرہ ارض پر کارخانہ قدرت متحرک ہوئی ہے، آفتاب وماہتاب، پہاڑ اور سمندر، چرند و پرند اور نباتات وحیوانات سب کے سب متحرک ہوئے۔ قیامت تک کے لئے یہ سلسلہ جاری ہوا ہے۔ سب اپنے اپنے وجود کے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ اس کائنات میں افزائش نسل کے باعث بنائے گئے۔ نظام قدرت قایم ہوا۔ خدا، بندۂ خدا اور کائنات کا آپسی رشتہ اور ربط وتعلق مستحکم ہوا۔ پھر تو "ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت"۔ اسی طرح تعلیم وتعلم اور رشد وہدایت کا سلسلہ اولین بھی حضرت آدمؑ ہی سے شروع ہوا۔ آبادی بڑھی تو ابلیس نے بھی اپنا دائرہ کار بڑھا دیا۔ چنانچہ انسانیت کی بقا، اصلاح معاشرہ اور کردار واخلاق کی درستگی کے لئے ہادی وقت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا رشد وہدایت کا سلسلہ بھی دراز ہوا اور اللہ کی جانب سے مصلحین، رسولوں، نبیوں اور پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ جاری ہوا۔ سبھی ہادی وقت نے اپنے اپنے زمانوں میں توحید وسالت پر ایمان لانے اور اس پر قایم رہنے کی تلقین کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا "لاالہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ" حضرت موسیٰؑ نے کہا "لاالہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ" اور حضرت عیسیٰؑ نے کہا "لاالہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ"۔ یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور

امت محمدیہ بھی گذشتہ اُمتوں کی طرح ہی "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" پر منتہی کر دی گئی۔ حضرت آدمؑ سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ختم الرسل، ہادی برحق سیدنا ومولانا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر ختم ہوا۔ "مذہب اسلام" مکمل ہوگیا۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ" خاتم النبیین ﷺ نے اپنا مشن مکمل کر بشری تقاضوں کے تحت پردہ فرما لیا۔ دین اسلام کے علاوہ قیامت تک نہ اب کوئی دین ہے اور نہ اب کوئی پیغمبر دین ہے۔ لہٰذا مشیت ایزدی، رحمت الٰہی اور "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کے تحت خلفائے راشدین، صحابہ اجمعین، تابعین وتبع تابعین، ائمہ اربعہ، مشائخ عظام اور صوفیائے کرام نے مستحکم طور پر قرآن وحدیث پر قایم رہتے ہوئے "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ" پر عمل کیا اور اسے ہی رشد وہدایت کی اصل قرار دیا۔ پھر اس اصل کی بنیاد پر جس اصل کی بنیاد ڈالی وہ ہے عشق الٰہی، عشق رسولؐ، حب اہل بیت اور احترام سلف صالحین۔ اللہ رب العزت کے جمال وجلال کی قسم! کہ جو نظام خداوندی اس مالک حقیقی نے ہمارے لئے روز اول طے کر دیا تھا وہی نظام خداوندی ہماری عبدیت کے لئے بھی آج تک قایم ہے اور روز آخر تک قایم رہے گا۔ اللہ نے انسان کو بہت کمزور پیدا کیا ہے۔ جانوروں کے بچوں سے بھی زیادہ کمزور! جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی کچھ ہی دیر میں اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماں کا دودھ پیتے ہی اتنے توانا ہو جاتے ہیں کہ ماں کے ساتھ ساتھ خراماں خراماں چل پڑتے ہیں۔ مگر انسان کا بچہ نہایت کمزور و ناتواں اور بے شعور ولاشعور پیدا ہوتا ہے۔ رب العالمین کی رحمت برسوں اسے اپنے آغوش میں لئے رہتی ہے یہاں تک کہ بشر اپنی بشریت کے ساتھ شعور پاتا ہے۔ پھر المیہ دیکھئے کہ جب باشعور ہوتا ہے تو رویہ باغیانہ ہو جاتا ہے اور باغیانہ رویہ پر قابو نہ پایا گیا تو رجحان منکرانہ ہو جاتا ہے۔ اہل دل بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ رضائے خداوندی بندۂ گنہگار کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اہل دل کے نزدیک ہمارے پاس مقدس دل، بس ایک ہے اور اس میں باغیانہ رویہ اور عاشقانہ رویہ دونوں ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جسم وجان کا مالک جانتا ہے کہ کب دل کی دنیا بدل جائے گی اور کب اس ایک دل میں بس ایک ہی خدا کی محبت رچ بس جائے گی!

چنانچہ اہل حق کے نزدیک حافظؒ کا شمار اگر اس زمرہ میں نہ کیا جائے جس زمرہ میں اللہ کے ولی روز اول سے ہی شیطان کے بہکاوہ میں نہیں آتے تو اس زمرہ میں تو کیا ہی جا سکتا ہے، جس زمرہ میں بندگان خدا اپنے گناہوں کے بعد توبہ کے تقاضوں کے تحت توبہ کر لیتے ہیں۔

حافظؒ شیرازیؒ حافظ قرآن تھے۔ وہ حکومت کی جانب سے اپنے اوصاف اور لیاقت کی بنیاد پر مدرس قرآن کے عہدہ پر بھی مقرر کئے گئے تھے۔ لہٰذا اس حافظ قرآن اور مدرس قرآن کو اسلام اور ایمان کی حقیقت سے کسی طور پر واقفیت تھی:

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ منست ❁ دعائے پیر مغاں وردِ صبح گاہ منست

''یہ کہ تو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، موت پر، موت کے بعد جی اٹھنے پر، حساب وکتاب پر، جنت پر، دوزخ پر اور ہر طرح کی اچھی اور بری تقدیر پر۔''—(صحیح مسلم)

چنانچہ عالم باعمل بباطن جنت کا طلبگار نظر آیا:

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست ❁ جز ایں خیال نہ دارم خدا گواہ منست

''اے ہمارے پروردگار اور ہم کو وہ چیز (جنت) بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبر کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور ہم کو قیامت کے روز رسوانہ کیجئے۔ یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔''—(آل عمران: ۱۹۳۔۱۹۴)

پھر جہنم سے خوفزدہ بھی نظر آیا:

مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر ❁ کہ ذل جور و جفائے تو عز و جاہ منست

اور اب تو حافظؒ کے قلب پر راز حقیقت ہی افشا ہو گیا:

گنہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظؒ ❁ تو در طریق ادب کوش گو گناہ منست

"من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ، دخل الجنة"۔ (سنن ابو داؤد)

"یدخل احد کم الجنة بعملہ"۔ (اتحاف السادہ، مسلم، فتح الباری اور طبرانی)

" ان اھل الجنة اذا دخلو ھا نزولو افیھا بفضل اعما لھم" ۔(ابن ماجہ، کنز العمال اور مشکوۃ)

متذکرہ سیاق وسباق کی روشنی میں اب حافظ شیرازیؒ کی حیات اور شاعری پر طائرانہ نظر ڈالیئے۔ حافظ شیرازیؒ کا نام شمس الدین تھا اور حافظؔ تخلص تھا۔ آپؒ حافظ کے نام سے اس لئے بھی موسوم تھے کہ آپ ''حافظ قرآن'' تھے۔ آپ ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۵ء میں جنوب وسط ایران میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی والدہ کازرون کی باشندہ تھیں۔ والد کا نام بہاء الدین اصفہانی تھا جنہوں نے اتابکوں کے عہد میں شیراز میں سکونت اختیار کی اور یہیں کوئلہ کی تجارت شروع کی۔ حافظؒ اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد جب دونوں بھائیوں نے شیراز چھوڑ دیا تو حافظؒ خود کو بے سہارا محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے خمیر گیری کا پیشہ اختیار کیا۔ دروازہ دروازہ جاتے اور بیکری کی اشیا فروخت کرتے۔ دریں اثنا حافظؒ ایک نہایت حسین وجمیل دوشیزہ بنام ''شاخ نبات'' پر فریفتہ ہو گئے۔ آپ کی کئی بہترین غزلیں ''شاخ نبات'' کے نام سے منسوب ہیں۔ حافظؒ کے دو صاجزادے تھے۔ دونوں کا انتقال حافظؒ کی زندگی میں ہی ہو گیا۔ بڑے صاجزادے تو ہمارے ملک ہندوستان کے سفر پر تھے اور دوران سفر ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مزار قلعہ اسیر، برہان پور میں واقع ہے۔ حافظؒ کو اپنے بیٹوں کے انتقال کا بہت صدمہ پہنچا۔ اُنہوں نے بطور مرثیہ جو اشعار قلمبند کئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

دلا دیدی کہ ایں فرزانہ فرزند ❁ چہ دید اندر خم ایں طاق نیلیں
بجائے لوح سیمیں در کنارش ❁ فلک بر سر نہادش لوح سنگیں

حافظؔ شیرازیؒ حافظ قرآن تھے۔انہوں نے محض بیس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا تھا۔حافظ قرآن ہونے کا مطلب ہی یہی تھا کہ قلب حافظؔ میں محفوظ چنگاری کو توفیق الٰہی کی بدولت عشق حقیقی میں منتہیٰ ہونا تھا۔حدیث شریف میں حفظ قرآن کی برکت سے حافظ قرآن کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

"اقرا وارق فان منزلك عند اٰخر اٰية تقرأها"

ترجمہ : قرآن پاک کی تلاوت کرتے جاؤ،اوپر چڑھتے جاؤ۔تمہاری وہی منزل ہوگی جہاں تم آخری آیت تلاوت کروگے۔(ابوداؤد حدیث نمبر ۱۴۶۴ کتاب الصلوۃ،ترمذی حدیث ۲۹۱۵)

حافظ شیرازیؒ کی شخصیت جن اہم اور معتبر شخصیتوں کی زندگی اور بالترتیب ان کے کلام سے متاثر تھی اُن میں سعدیؔ، عطارؔ، رومیؔ اور نظامیؔ جیسی عالم باعمل،صوفی،عظیم المرتبت شاعر اور بزرگ و برتر شخصیتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔حسن اتفاق دیکھئے حافظؔ نے بیس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور اسی عمر میں انہیں شعر گوئی کا بہتر سلیقہ بھی آیا مگر یہ خیال درست ہے کہ تصوف ان کی زندگی میں اور رنگ تصوف ان کے کلام میں عمر کے چالیسویں سال ہی میں آیا۔خود فرماتے ہیں:

اے صوفی شراب آنگہ شود صاف ❁ کہ در شیشہ بماند اربعینے

حافظؔ کا ایک اور شعر دیکھئے:

سحرم ہاتف میخانہ بدولت خواہی ❁ گفت باز آئی کہ دیرینہ ایں درگاہی

حافظؔ کا ایسا ہی ایک اور شعر دیکھئے:

با من راہ نشیں خیز دسوئے میکدہ آی ❁ تا بہ بینی کہ در آن حلقہ چہ صاحب جاہم

حافظؔ اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں اور عظیم المرتبت شاعری کی وجہ سے مشہور ہونے لگے۔ان کی شاعری کی مقبولیت کا دائرہ اس قدر بڑھ گیا کہ بادشاہ ابو اسحٰق کے دربار میں درباری شاعر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔مگر مبارز مظفر نے جب ایران پر قبضہ کیا تو اس نے حافظؔ کو ملک بدر کر دیا۔پھر مبارز مظفر کے علم دوست بیٹے شاہ شجاع نے اپنے ظالم باپ کو بطور مجرم قید کر لیا۔ شاہ شجاع نے حافظؔ کی عزت بحال کی اور اس طرح حافظؔ ایران واپس آگئے۔اب حافظؔ کے کلام میں ناشائستگی کی جگہ شائستگی،اور شراب نوشی کے علاوہ اسلام میں عیش وعشرت کے دیگر ممنوعہ لوازم کے بجائے معرفت وحقیقت اور روحانیت پسند رومان کے عناصر بدرجہ اتم پائے جانے لگے۔غرض حافظؔ بیدار ہو چکے۔ان پر " قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ "کا راز افشا ہوگیا۔پھر کیا تھا؟ چشم ظاہر بند ہوگئی اور چشم باطن کھل گئی۔حافظؔ کو اب پیر کامل کی تلاش تھی چنانچہ انہوں نے پیر ومرشد کی تلاش میں کامیابی حاصل

کرنے کے لئے بابا کوہیؒ کے مزار پر چلہ کشی کی ۔کامیابی ملی اور انہیں حضرت عطارؒ بطور پیر و مرشد مل گئے ۔واضح ہو کہ یہ حضرت عطارؒ حضرت عطار نیشاپوری نہیں ہیں ۔حافظ شیرازیؒ ۶۹ سال کی عمر میں ۱۳۸۹ء میں انتقال کر گئے ۔ان کا مزار ایران میں رقصانہ آباد ندی کے کنارے باغ مصلہ میں ''حافظیہ'' کے نام سے مشہور ہے اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے ۔

حافظ شیرازیؒ کی زندگی میں دیوان حافظؔ مرتب نہیں ہوا تھا۔محمد گل اندام نے ۱۴۱۰ء میں اپنے دیباچہ کے ساتھ دیوان حافظؔ مرتب کیا جس میں ۵۰۰ غزلیں، ۴۲ رباعیوں کے علاوہ چند قصاید بھی شامل کئے گئے ۔ پھر حافظؔ کے شاگرد عزیز حضرت سید قسیم انور نے ان کی غزلیں ترتیب دیں اور ۵۶۹ غزلوں کا ایک مجموعہ پیش کیا۔عشق مجازی سے منسلک غزلوں کے علاوہ عشق حقیقی، حب رسولؐ، اپنے وطن شیراز، اپنی محبوبہ شاخ نبات اور اپنے پیر و مرشد حضرت عطارؒ کی شان اقدس میں حافظؔ کی کہی گئیں غزلیں دیوان حافظؔ میں محفوظ کر دی گئی ہیں ۔ان میں زیادہ تر غزلیں معرفت حق میں ڈوبی ہوئی ہیں ۔حافظؔ کا زمانہ ایران میں سیاسی مناقشات، نشیب و فراز اور جنگ و جدال کا زمانہ رہا ہے ۔حافظؔ نے ان نشیب و فراز کے پیش نظر فاتحین اور حکمرانوں کی شان میں قصیدے بھی لکھے ۔انہوں نے جن فاتحین اور حکمرانوں کی شان میں قصیدے لکھے ان میں شاہ ابو اسحٰق، امیر مبارز الدین، شاہ شجاع، شاہ نصرت الدین یحیٰ، خواجہ قوام الدین، حاجی قوام حسن، شاہ منصور، شاہ قطب الدین محمود، عماد ابن محمود اور خواجہ عماد الدین محمود، وغیرہ اہم حکمران وقت شامل ہیں ۔

آج ایران کے جن اعلیٰ مرتبت معتبر شعرائے کرام نے پوری دنیا میں قبول عام حاصل کیا اُن میں جامیؔ، فردوسیؔ، خیامؔ، عراقیؔ، سعدیؔ اور حافظؔ کے نام بہت اہم ہیں ۔ہندوستان سمیت کسی بھی ملک میں اگر فارسی زبان و ادب میں مہارت حاصل کرنی ہے تو سعدیؔ کی گلستاں و بوستاں، فردوسیؔ کا شاہنامہ، خیامؔ کی رباعیات اور حافظؔ کا ''دیوان حافظؔ'' پڑھنا لازمی ہے ۔جامیؔ کی غزلوں میں خارجی اور داخلی تجلیات کی پیشکش سے قاری ہمکنار ہوتا ہے، سعدیؔ کی گلستاں و بوستاں اخلاقی شاعری کی بہترین ترجمانی کرتی ہے، فردوسیؔ اپنے شاہنامہ کے توسط سے قارئین کے قلب پر رزم و بزم کے دلکش مناظر نقش کرتے ہیں اور خیامؔ کی رندی و سرمستی بھری اثر انگیز رباعیاں ہمارے دل و دماغ کو جھنجھوڑ دیتی ہیں تو حافظؔ کا دیوان اُن کے عشق مجازی سے وابستہ کلام میں غنائیت اور عشق حقیقی سے وابستہ کلام میں فدائیت کے لئے قابل تقلید نظر آتا ہے ۔حافظؔ کی اثر آفریں شاعری سے ہمارے ہندوستان کے شہرہ آفاق شاعر رابندر ناتھ ٹیگور بہت متاثر تھے ۔حافظؔ کا کلام ٹیگور کی ''گیتانجلی'' کے لئے اہم مرجع و مصدر ثابت ہوا۔''گیتانجلی'' رابیندناتھ ٹیگور کا وہ مشہور مجموعہ کلام ہے جسے ادب عالیہ کے زمرہ میں شمار کیا گیا اور جس کی وجہ سے ہمارے ملک ہندوستان کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔رابندر ناتھ ٹیگور کے والد کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں حافظؔ کا کلام اس قدر ازبر تھا کہ لوگ انہیں ''حافظِ حافظ'' کہتے تھے ۔حافظؔ سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر صبح اُپنیشد کے بعد ''دیوان حافظؔ'' کے چند پسندیدہ نظموں کو بھی ترنم سے گایا کرتے تھے ۔وہ ایک مرتبہ تلاش حق میں ہمالیہ کی چوٹیوں پر چلے گئے تھے وہاں بھی وہ حافظؔ کی

غزلیں گایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب ان کے عالم نزع کا وقت آیا تو انہوں نے حافظؔ کی غزل ’’مراد رمنزل جاناں چہ امن و عیش چوں......‘‘ پڑھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ رابندر ناتھ ٹیگور کی شخصیت اور ان کی شاعری پر بھی حافظؔ کی شخصیت اور ان کے کلام کا اچھا خاصہ اثر پڑا۔

غرض حافظ شیرازیؒ کی زندگی ہم گنہگاروں کے لئے قابل تقلید زندگی ہے۔گناہ کا سرزد ہونا یقیناً ایک فطری عمل ہے مگر توبہ واستغفار کا عمل بھی جلد از جلد فطری طور پر شروع ہو جائے اور یہ عمل نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے تمام تر تقاضوں کے تحت جاری رہے، تو اُمید رکھنی چاہئے کہ خدا ہمیں اپنے جوار رحمت میں لے لے گا کیونکہ زندگی اہل حق کے نزدیک ’’بین الخوف والرّجاء‘‘ کے رہنما خطوط پر آگئی۔ چنانچہ ذیل میں حافظؔ کے ان اشعار پر نظر ڈالیئے جو ان کی زندگی میں آئی تبدیلی اور ان کے عشق حقیقی کے گوناگوں پہلوؤں کا نہایت خوبصورتی کے ساتھ مظاہرہ کر رہا ہے۔ایسا مظاہرہ! ایسا مظاہرہ! کہ اہل دل اور اہل حق وجد میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جہاں پرستی ختم اور دل، عشق الٰہی سے لبریز! عشق مجازی کی عکاسی کرتا ہوا حافظؔ کے کلام کا مشاہدہ ہم نے کیا۔اب عشق حقیقی کی عکاسی کرتا ہوا اُن کے کلام کا مشاہدہ بھی کیجئے جس میں عشق الٰہی، عشق رسولؐ، حب اہل بیتؓ، احترام سلف صالحین اور پیر و مرشد سے ان کی عقیدت کا والہانہ طور پر اظہار شامل ہے:

تا ز میخانہ و مئے نام ونشاں خواہد بود ❁ سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود
حلقہ پیر مغانم ز ازل درگوش است ❁ ماہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود
بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود ❁ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
بخت حافظ گر ازین گونہ مدد خواہد کرد ❁ زلف معشوقہ بہ دست دگراں خواہد بود

ایک اور غزل دیکھئے:

اے خسرو خوباں نظرے سوئے گدا کن ❁ رحمے بہ من سوختۂ بے سرو پا کن
شمع وگل و پروانہ وبلبل ہمہ جمعند ❁ اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن
مشنو سخن دشمن بدخوئے خدارا ❁ با حافظ مسکین خود اے دوست وفا کن

ایک اور غزل دیکھئے:

اے صبا نکہتے از خاک در یار بیار ❁ بر اندوہ دل و مژدۂ دلدار بیار
نکتۂ روح فزا از دہن یار بگوئے ❁ نامۂ خوش خبر از عالم اسرار بیار
دل دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز ❁ حلقۂ از خم آں طرۂ طرار بیار
دلق حافظ بچہ ارزد بمیش رنگیں کن ❁ واں گہش مست وخراب از سر بازار بیار

ایک اور غزل ملاحظہ فرمایئے:

سلام الله ما كرّ اليالى ❁ علىٰ ملك المكارم و المعالى
علىٰ وادى الاراك ومن عليها ❁ ودارى باللّوىٰ فوق الرمال
منال اے دل کہ در زنجیر زلفش ❁ ہمہ جمیعت است آشفتہ حالی
فحبك راحتى فى كل حين ❁ وذكرك مونسى فى كلّ حال
کجا یابم وصال چوں توشاہے ❁ من بد نام رند لا ابالی
خدا داند کہ حافظ را خبر چیست ❁ وعلم الله حسبى ذوالجلال

اس طرح حافظ شیرازیؒ کے بارے میں یہ رائے قایم کرنا مناسب ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی خوش عقیدہ مسلمان، حافظ قرآن، سریرآرائے علوم، عالم باعمل اور صوفی باصفا ثابت ہوئے۔ عرصہ گذر گیا پر آج بھی وہ اپنے اعمال صالحہ، عبادت و ریاضت کی وجہ سے عوام وخواص میں مقبول ہیں۔ خدا اُن کا ہوا اور وہ خدا کے ہوئے۔ آپ کا خاتمہ بالخیر بھی سلوک کی اُسی منزل مقصود پر ہوا جس کی اُنہیں تلاش تھی۔ حافظؒ کی زندگی ہم گنہگاروں کے لئے نہایت عبرت آموز اور قابل تقلید زندگی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حافظؒ کے لئے عشق مجازی اُن کے عشق حقیقی کے واسطے ایک زینہ ثابت ہوا ہو کیونکہ تصوف کے فکری ماخذوں کے بارے میں مبصرین کے درمیان اختلاف کے باوجود اہل حق نے عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ تسلیم کیا ہے۔ عشق مجازی کی وجہ سے سوز وگداز اور جنون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور صفائی کی جانب قلب مائل ہوتا ہے جس سے عشق حقیقی میں جذباتی وابستگی کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے۔ چنانچہ تصوف کی اہم ترین تصنیف ''کشف المحجوب'' میں مصنف شیخ علی بن عثمان ہجویری یا باداتا گنج بخشؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''مجھ علی بن عثمان جلالی کو اللہ نے گیارہ سال تک تزویج کی مصیبت سے محفوظ رکھا اس کے بعد تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ میں آزمائش میں پڑوں چنانچہ بغیر شکل دیکھے محض دوسروں سے اوصاف سن کر میرا ظاہر و باطن اس میں گرفتار رہا۔ یہاں تک کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے کمال لطف و کرم سے میری دستگیری کی۔''—(کشف المحجوب صفحہ:۲۸۵ بحوالہ تصوف اور اسلام: مصنف عبدالماجد صفحہ:۱۶)

چنانچہ حافظ شیرازیؒ کی حیات وشاعری کی ظاہری لطافت اور باطنی صداقت کی روشنی میں نہایت دلکش اور قابل تقلید پہلو اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ قابل تقلید پہلو یہ ہے کہ اسلامی طور طریقہ پر زندگی بسر کرنے کے لئے عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے گناہوں سے اجتناب بھی لازمی ہے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ بشریت کے تقاضہ کے تحت بندہ کی سرشت میں گناہ شامل ہے۔ پھر بندۂ گنہگار ناتواں اور کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ جسم وجاں سے کمزور اور ایمان بھی کمزور! انسان کی حیثیت دیکھئے!

اس کمزوری کی پیدائش بھی تمام ذی روح کی طرح نہایت گندہ نطفہ سے عمل میں آئی ہے۔ چنانچہ ناقص عقل وفہم اور ناکافی علم وعمل کی بنیاد پر تطہیر اگر ممکن ہو بھی تو اس مختصر سی مدت میں کس حد تک ممکن ہے!؟ پھر وقت کہاں ہے! وقت آخر تو آچکا! اور خود احتسابی کا نتیجہ آخر بھی!! پتہ چلا! گناہ ومعصیت میں ڈوبی زندگی میں ایسا کوئی لایق عمل نہیں جس کی بدولت دربار خداوندی میں نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ بخشائش کا دعوی پیش کیا جاسکے اور دوسری جانب دل بھی گواہی دے رہا ہے کہ خدا کی عطا کردہ زندگی میں خدا کے لئے کیا گیا ایسا کوئی سجدہ نہیں جس کی رسائی درجہ قبولیت تک ہوگئی ہو! اب یوم الحساب بھی نزدیک ہے! خواب خرگوش ختم ہوا! نیند ٹوٹی! احساس عبدیت جاگا! بیداری آئی اور جب آئی تو ماضی کے پیش نظر مستقبل کی تلاش بھی شروع ہوئی۔ آخرت کی فکر لاحق ہوئی۔ جذبہ طلب ایسا کہ دل حصول آخرت کے لئے مچل گیا! اضطراب قلب کو اب سکون چاہیے۔ مضطرب قلب وجگر سکون کے لئے در بدر بھٹک رہا ہے۔ دیکھئے کس طرح حافظؔ کی بے چینی ہم سیہ کاروں کی بے چینی کی نمائندگی کرتی نظر آرہی ہے:

لنگر حلم تو اے کشتیٔ توفیق کجا است ❁ کہ دریں بحر کرم غرق گناہ آمدہ ایم

حاصل کلام یہ کہ اہل حق حافظؔ کی توبہ کے بعد ان کی زندگی کو قابل تقلید بتا رہے ہیں۔ قرآن وحدیث اور شریعت و طریقت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ تمام مشائخ عظام بالخصوص بزرگان درمجیبی یہی رہنمائی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ سکون اور دنیا وآخرت کی کامیابی "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" میں پوشیدہ ہے جس کی بنیاد عشق الٰہی، عشق رسولؐ، حب اہل بیت اور احترام سلف صالحین میں مضمر ہے کیونکہ:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ﴿۳۱﴾ – (اٰل عمران)

از ذرہ گرچہ کمترم در مہر رویش نیستم
خورشید ذرہ پرورم آخر غلام کیستم

مراجع ومصادر:

(۱) القرآن الحکیم والاحادیث
(۲) دیوان حافظ (بترجمہ): مولانا قاضی سجاد حسین
(۳) جنت کے حسین مناظر: مولانا امداد اللہ انور
(۴) نغمات الانس فی مجالس القدس: شاہ بلال احمد قادری
(۵) تاریخ الامت: مولانا محمد اسلم جیراجپوری
(۶) حافظ: شخص اور شاعر: پروفیسر کبیر احمد جائسی
(۷) حافظِ شیراز (انگریزی): بی شیخ علی

(۸) عالم آخرت: ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمٰن العریفی

(۹) ہماری بادشاہی مختصر تاریخ اسلام: عبد السلام قدوائی ندوی

(۱۰) تصوف اور بھکتی (تنقیدی اور تقابلی مقابلہ): شمیم طارق

(۱۱) تصوف اور اسلام: عبد الماجد

(۱۲) مجلہ زبان وادب، بہار، نومبر ۲۰۱۸ء

(۱۳) نوٹ: مضمون کے تمام اشعار حافظ شیرازیؒ کے اشعار ہیں جبکہ مضمون کا صرف آخری شعر اس راقم الحروف حقیر و عاصی کے دادا اور عظیم المرتبت شاعر حضرت مولانا حکیم شعیب رضوی نیر پھلواروی ؒ کا ایک بہترین اور لافانی شعر ہے جو اس مضمون کے حوالہ سے ''عطر کشید'' ہے۔

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان ـــــ ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو کی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے ـــــ اور ہر طبقہ و جماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں ـــــ اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

مولانا قاضی سید عبید اللہ قادریؒ امجھری

● پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری ـــــ قومی نائب صدر، آل انڈیا یونانی طبی کانگریس، پھلواری شریف

مختصر رسالہ ''واقعات سیدناؒ''، جس کو محمد حنیف عزیزی داؤدنگری ضلع گیا نے تحریر فرمایا ہے۔ جس میں انہوں نے سیدنا امیر محمدن القادریؒ کے حالات تحریر کرنے کے قبل اس وقت کے ہندوستان کی ایک مختصر تاریخ ضبط تحریر میں لائے ہیں۔ جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ داعیان اسلام نے ان حالات میں بھی کس قدر ہمت اور جرأت کے ساتھ اسلام کی خدمت کی ہے۔ ان کی اپنی خود کی زندگی تو فنافی اللہ تھی ہی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے دور میں خدا اور رسول کی الفت ومحبت اور اسلامی تعلیمات سے لوگوں کے قلوب کو منور وتاباں کیا لیکن آج کی تاریخ میں تصوف سے اپنا رشتہ رکھنے والے بہت سے افراد اس معیار کو پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ، اسلامی شریعت کے نفاذ اور صحیح اسلامی تصوف کو پیش کرنے میں کتنے مخلص تھے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ امیر سیدنا محمدن القادریؒ جس دور میں امجھر شریف کے علاقے میں تشریف لائے وہ زمانہ جیون اور کرموں نامی دو تعلقہ داروں کا زمانہ تھا جو کہ نہایت ہی ظالم تھے۔ ان دونوں تعلقہ داروں کے سامنے بھی دین متین کی تعلیم پیش کی تھی لیکن ان کا انکار اور خدا کا قہر ان کو لے ڈوبا، اس کے باوجود اس علاقے کے لوگوں کے درمیان تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔

یہ کون نہیں جانتا کہ ۱۳۹۲ء میں امیر تیمور نے جب سلطنت تغلقیہ کو تباہ وبرباد کر دیا اور لودیوں نے دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالا تو اس وقت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ معمولی سے معمولی زمیندار بھی اپنے کو اپنے علاقے کا خود مختار حاکم تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اسی زمانے میں جیون کو لہ موضع نرہنا پرگنہ انچھا صوبہ کے علاقہ بہار میں رہا کرتا تھا۔ اس نے ظلم وتشدد سے فرزندان اسلام کے ناکوں میں دم کر رکھا تھا۔ چنانچہ شیخ علی ہندیؒ جو حسن پور کے رہنے والے تھے ۸۴۶ھ مطابق ۱۴۴۲ء۔ ۱۴۴۳ء میں یہاں سے مدینہ منورہ نبی کریم ﷺ کی مزار گرامی پر تشریف لے گئے اور عرض کیا، چنانچہ آپ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ بغداد شریف سید محمد درویش قادریؒ کی خدمت میں جائیں، وہاں آپ کے مرض کا علاج

ہو جائے گا، چنانچہ شیخ ہندی وہاں سے بغداد شریف آئے اور تمام حالات سے سید موصوف کو مطلع کیا۔انہوں نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں، کام ہو جائے گا، دوسرے روز انہوں نے اپنے صاحبزادے سید محمد القادری سے کہا کہ تم ہندستان جاؤ اور تبلیغ اسلام کرو تا کہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کی سرکشی کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ سید محمد القادری چالیس شخصوں کے ساتھ عازم ہند ہوئے۔راستہ کے مصائب وتکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سرہر پورا آئے اور یہاں سید حسنؓ کی بہن سے اپنے والد کے حکم کے مطابق شادی کی، پھر نرہنا اور وہاں سے امجھر شریف ۸۴۶ھ مطابق ۱۴۴۳ء میں تشریف آوری ہوئی، وہاں اپنا عصا نصب کر دیا، اس سے پھل اور پھول پتیاں نمودار ہوگئیں۔انہیں علامتوں کو جائے قیام کی نشانی بتایا گیا تھا۔(اس درخت کا نام،،انجاس،،ہے، ایک بار اس درخت کا کچھ حصہ اگریکلچر نمائش میں دہلی لے جایا گیا تھا، جہاں اس کے متعلق کہا گیا، یہ ہندی پودا نہیں ہے، بلکہ عراقی پودا ہے۔اس کے راوی قاضی سید یعسوب قادریؒ اگریکلچر آفیسر ہیں، میں بحیثیت طبیب اس کا فعل خاص بتا دوں، یہ ہاتھوں کے اپرس کے لئے نہایت مفید ہے، اپرس مرض یہ ہے کہ ہتھیلی کی جلد گرنی شروع ہو جاتی ہے، اس میں اس کی شاخ کو ہاتھوں میں رکھنا پڑتا ہے، اس سے فائدہ ہوتا ہے) آپ وہاں ہمیشہ کے لئے رہ گئے۔ یہاں تک کہ جیون اور کرموں دونوں ظالم تباہ و برباد ہوئے اور فرزندان اسلام اعلانیہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کرنے لگے یہ آپ ہی کا فیضان ہے کہ امجھر شریف کے قرب وجوار کے کئی گاؤں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آہی گیا کہ کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق آپ نے یکم ربیع الاول ۹۴۰ھ کو دنیائے دنی سے ملک جاودانی کو رحلت فرمائی۔

سرزمین آستانہ عالیہ امجھر شریف کا مقدر حضرت سیدنا محمد ن القادریؒ نے چمکایا اور اس کی گود سے نہایت ہی جلیل القدر شخصیات پیدا ہوئیں جن کا تذکرہ جس نہج سے بھی کیا جائے وہ مثالی ہوگا۔یہ خانوادہ محمدیہ تصوف وروحانیت، علم وادب قضاء وفقہ کا گہوارہ رہا ہے اور اس خانوادے کے افراد نے ایک طویل عرصے تک عہدہ قضاء کی ذمہ داریاں ادا کی ہیں۔ مغلیہ دور سے لے کر انگریزی دور حکومت تک جب تک عدالتوں میں اسلامی شریعت بنچ قائم رہی اور اس کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہمارے خاندان کے بزرگ حکومتوں کی طرف سے صوبہ بہار و بنگال کے قاضی مقرر ہوتے رہے جو مسلمانوں کے مقدمات قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتے تھے۔اس خاندان کے آخری قاضی مولانا سید احمد عروج قادری کے پردادا حضرت سید قاضی کرامت علیؒ تھے۔انگریزوں نے جب اسلامی شریعت بنچ ختم کر دیا تو پھر اس کے بعد کوئی اس عہدے پر فائز نہیں ہوا۔اس سرزمین کے ایک بڑے بزرگ مولانا مفتی سید قاضی مسعودؒ گذرے ہیں، جنہوں نے ''فتاویٰ قاضی مسعود'' مرتب کی۔یہ کتاب بہت اہم ہے جو نادر مخطوطہ کی صورت میں محفوظ ہے لیکن افسوس کہ عقیدت کی آنکھوں نے اس کو اہل علم ودانش کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔حالانکہ ضرورت تو یہ تھی کہ اس فقہی مجموعہ کو منظر عام پر لایا جاتا تا کہ میدان فقہ میں اہل علم حضرات اس سے استفادہ کرتے اور فقہی مسائل کی موشگافیاں منظر عام پر آتیں۔اس کتاب کے حاملین سے میری گذارش ہے کہ ابھی بھی وقت

موجود ہے، آپ اس کو منظر عام پر لائیں۔ جہاں تک بحیثیت تبرک اس کی زیارت کا سوال ہے تو وہ علیٰ حالہ برقرار رہے گی۔ کیوں کہ مخطوطہ تو آپ ہی کے پاس ہوگا۔

اس خانوادے کی مشہور شخصیات کا تذکرہ مختلف کتابوں میں موجود ہے لیکن فی زمانہ ''سید الہند'' نامی کتاب (جو کہ میرے پھوپھی زاد بھائی سید فضل الحق قادری نے ترتیب دی ہے،) کے مطالعہ سے شخصیات کا تعارف حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک کتاب حکیم سید شاہ محمد شعیب نیر رضویؒ نے بھی ترتیب دی تھی جس کی اصل کاپی کی نقل مجھ کو جناب محترم بشیر فاروقی (شاداں فاروقی) صاحبؒ دربھنگہ نے یہ کہتے ہوئے میرے حوالہ کی کہ یہ آپ کے خانوادہ کے بزرگوں پر لکھی گئی ہے۔ اس کو شائع ضرور کیجئے گا، اس کتاب کو ۲۰۱۸ء میں خانقاہ قادریہ محمدیہ امجھر شریف نے میری ترتیب وتحقیق سے شائع کرادیا ہے۔

یہ خانوادہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک حضرات شاہ صاحبان کا گھرانہ ہے اور دوسرا قاضی حضرات کا گھرانہ۔ جس شخصیت کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ وہ قاضی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گھرانے کے چند بزرگوں کے نام اس طور پر ہیں قاضی سید مسعودؒ، قاضی سید جوادؒ، قاضی سید قمر علیؒ، قاضی سید کرامت علیؒ، قاضی سید مظہر حسینؒ، قاضی سید تبارک حسینؒ، قاضی سید مبارک حسین قادریؒ۔ یہ سب اپنے دور کی منفرد شخصیات ہیں۔ حضرت مولانا سید تبارک حسینؒ، حضرت مولانا قاضی عبید اللہ قادریؒ اور حضرت مولانا سید احمد عروج قادریؒ آخر الذکر تین حضرات کا اگر تذکرہ کیا جائے تو یہ مضمون طویل ہو جائے گا۔ یہ اس خانوادے کے تین ایسے روشن چراغ ہیں جن کے ذریعہ نہ جانے کتنے چراغ روشن ہو گئے۔ اور ان روشن چراغوں نے نہ جانے کتنے چراغ روشن کئے ہوں گے۔ ان تینوں شخصیات کا آپسی تعلق کچھ اس طرح ہے۔ حضرت مولانا قاضی سید عبید اللہ قادریؒ بن مولانا قاضی سید تبارک حسین قادریؒ اور مولانا سید احمد عروج قادریؒ بن مولانا قاضی سید عبید اللہ قادریؒ (یعنی باپ، بیٹا اور پوتا)۔ یہ ایسی متبرک ہستیاں رہی ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس، تبلیغ واشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ روحانیت سے بھی گہرا رشتہ قائم رکھا اور حیات مستعار کو انہیں مقاصد کے حصول میں صرف کردیا۔

مولانا سید شاہ عبید اللہ قادریؒ کے والد ماجد مولانا قاضی سید تبارک حسین قادری امجھریؒ بڑے فاضل اور علوم شرعیہ کے ماہر تھے۔ جونپور میں تعلیم حاصل کی تھی اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے سند حدیث حاصل کی تھی۔ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی استفاضہ کیا تھا۔ خانقاہ مجیبیہ کے بزرگان سے گہرا تعلق تھا۔ آخری عمر یہیں گزاری ۱۳۳۷ھ میں وفات ہوئی، خانقاہ کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا قاضی سید تبارک حسینؒ سے حاصل کی اور دیگر مقامی اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ٹونک (راجستھان) چلے گئے۔ جہاں اس وقت حضرت مولانا برکات احمد بہاری ثم ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ درس بڑی شان وشوکت کے ساتھ جاری تھا۔ مولانا برکات احمدؒ خیر آبادی سلسلہ کے

آخری فاضل تھے جو منقولات اور معقولات کے نہ صرف ایک استاد بلکہ معقولات کے اس دور میں امام سمجھے جاتے تھے۔ ان کا ذاتی مدرسہ ٹونک میں قائم تھا جہاں مشرق ومغرب کے ذی استعداد طلباء پہنچتے اور ان سے درس لیا کرتے تھے۔ انہیں کے حلقہ درس میں حضرت شاہ عبید اللہ قادریؒ بھی شامل ہو گئے، جس کی تصدیق حکیم مولانا برکات احمد ٹونکیؒ کے مدرسہ میں حاضری کے بعد ہوگئی جب میں ایک طبی سمینار میں شرکت کی غرض سے ابو الکلام آزاد عربی فارسی انسٹی چیوٹ ٹونک راجستھان کی دعوت پر گیا تھا۔ اس موقع پر مدرسہ مذکور میں بھی حاضری کا موقع ملا۔ وہاں بہار کے چند بزرگوں مثلاً مقبول احمد خاں صاحب دربھنگویؒ اور دیگر طلباء کا داخلہ رجسٹر اس دور کا نہیں مل سکا۔ حضرت شاہ عبید اللہ قادری کے ہم درس ساتھیوں میں یہ افراد بھی شامل تھے، جیسے مولانا مقبول احمد خاں صاحب دربھنگہ جو مدرسہ حمیدیہ کے ناظم اعلیٰ ہوئے۔ مولانا الیاس صاحب دربھنگوی جو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی میں بعد میں مدرس ہوئے، مولانا سبحان صاحب بہاری استاد مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ ان حضرات کی رفاقت میں حضرت شاہ صاحب نے درسیات کی تعلیم مکمل کی اور تمام علوم وفنون نقلیہ وعقلیہ سے فراغت کی سند حاصل کی۔ یہ سند حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی اپنی ذاتی حیثیت سے دیا کرتے تھے۔ جس طرح آج کل اونچے درجے کے مدارس کی سندیں ہوتی ہیں اسی معیار کی خود حضرت مولانا برکات احمد کی ذاتی سند ہوا کرتی تھی۔ حضرت مولانا برکات احمد کی درس گاہ کا نام بعد میں مدرسہ خلیلیہ ہوگیا جو اب تک قائم ہے۔

جب حضرت مولانا قاضی سید عبید اللہ قادریؒ نے ٹونک سے فراغت کے بعد تعلیمی سند کے ساتھ مراجعت فرمائی تو ان کو پٹنہ میں محمدی جان کے مدرسے میں استاد کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ پٹنہ سیٹی میں اہل سنت والجماعت کا سب سے بڑا وقف محمدی جان وقف اسٹیٹ تھا۔ جس میں ایک شاندار مسجد کے علاوہ دینی درس گاہ بھی قائم تھی۔ جہاں صرف مولوی تک تعلیم ہوا کرتی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ درسی فرائض انجام دینے کے بعد اپنی رہائش گاہ محلہ باغ کالو خان پٹنہ سیٹی چلے جاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنا سلسلہ درس قرآن قائم کیا اور ایک وقت مخصوص میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ جس میں خواص وعوام سب شریک ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے درس قرآن کی مقبولیت اور افادیت اتنی بڑھی کہ پٹنہ کے مختلف حلقوں میں ان کا درس قرآن ہونے لگا۔

آپ نے ایک طویل مدت تک مدرسہ محمدی جان میں تدریسی خدمات انجام دیں اور عوام واہل علم کو اپنے علمی فیوض سے نوازتے رہے، یہاں تک کہ جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی کا قیام عمل میں آیا اور اس کی ترقی ہونے لگی تو حضرت شاہ صاحبؒ کو مدرسہ شمس الہدیٰ کے ارکان بالخصوص مسٹر نور الہدی مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ نے جن سے حضرت کی سسرالی رشتہ داری بھی تھی مدرسہ میں تفسیر کے مدرس کی حیثیت سے بلا لیا۔ آپ نے مدرسہ شمس الہدیٰ کے ارکان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے مدرسے کی ملازمت قبول کر لی۔ سن تو یاد نہیں آرہا کہ کس سن میں تشریف لائے تھے لیکن میں نے مدرسہ کے اکاؤنٹس رجسٹر کا جب معائنہ کیا تو پہلی تنخواہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں حاصل ہوئی تھی۔

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ نے یہ بتایا ''وہ زمانہ میرے بدؤ شعور کا زمانہ تھا لیکن جب میں نے ہوش سنبھالا اور علمی میدان کی واقفیت ہوئی تو حضرت کو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مسند آراء درس تفسیر وحدیث پایا۔ وہ علمی حیثیت سے نمونہ اسلاف تھے، کیوں کہ منقولات ومعقولات کے حامل ہونے کے ساتھ دیگر علوم میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔''

مولانا عبید اللہ قادری ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ان کو دنیا سے اور زمینداری سے کم ہی تعلق تھا کیوں کہ انہوں نے علوم دینیہ سے اپنے کو وابستہ کرلیا تھا اور یہ وابستگی جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ ان علوم سے آپ کو بہت ہی شغف تھا اور آپ کا خاص موضوع درس قرآن تھا۔ اس طرح آپ کے تدریسی مشاغل مدرسہ میں جاری رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا خانقاہ مجیبیہ سے بڑا ہی گہرا رشتہ وتعلق تھا۔ کیوں کہ امیر شریعت ثانی حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ آپ کے بہنوئی تھے۔ اس رشتہ سے وہ ہر ہفتہ پھلواری شریف آجایا کرتے تھے۔ یہاں ان کے علمی ذوق کے ہم مشرب حضرت قمر طلعت مولانا شاہ قمر الدین قادریؒ (امیر شریعت ثالث) اور حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ یہی دو حضرات تھے۔ پھلواری شریف کے ایک یا دو روزہ قیام میں انہیں دونوں حضرات سے ان کی علمی گفتگو اور بعض اوقات علمی بحث و مباحثہ بھی ہوا کرتا تھا۔ مولانا سید شاہ عون احمد قادری فرماتے ہیں:

> ''میں اپنے طالب علمی کے دور میں ایک طرف بیٹھ کر ان بزرگوں کی علمی ومنطقی گفتگو سنتا رہتا تھا۔ اور ان حضرات کی تحقیقی اور علمی کاوشیں اتنی پرمغز اور پرمعنیٰ ہوتی تھیں کہ مجھ جیسا ایک طالب علم بھی اس سے بے حد محظوظ ہوتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت شاہ صاحب کی حیات تک ہر ہفتے قائم رہا۔ ہفتہ واری چھٹیوں کے علاوہ بھی موسم گرما کی تعطیل میں پھلواری شریف آکر انہیں دونوں حضرات کے ساتھ وقت گذارا کرتے تھے۔''

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ فرماتے ہیں ''میری یاد کی بات ہے کہ ایک بار حضرت شاہ صاحب یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ خانوادے کے ایک بزرگ حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان چشتی صاحبؒ سے ملنے گئے وہاں بھی کچھ دیر حضرت قبلہ سے علمی گفتگو ہوتی رہی، جب وہاں سے واپس خانقاہ تشریف لائے تو امیر شریعت ثالث اور مولانا شاہ نظام الدین قادری سے فرمایا کہ آج کی ایک بات سننے مشہور حدیث ترکت فیکم الثقلین ان اعتصمتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ و سنتی الیٰ آخر الحدیث. اس حدیث کے بارے میں مولانا نے فرمایا کہ قبلہ مولانا سید شاہ سلیمان صاحب نے فرمایا کہ ''مذکورہ روایت میں کتاب اللہ کے بعد سنتی نہیں ہے بلکہ عترتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ حالانکہ صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں سنتی کا لفظ ہی آیا ہے''۔ مولانا شاہ عبید اللہ قادریؒ نے اس پر اپنا اشکال واضح کیا کہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے۔ سنتی ہی ہونا چاہئے جس کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا بلکہ اسی پر مصر رہے کہ ''عترتی'' ہی ٹھیک ہے۔ مذکورہ بزرگوں نے بھی حضرت شاہ عبید اللہ صاحب کی ہی تائید فرمائی۔ البتہ صحیح مسلم، ترمذی ومسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں عترتی اور اہل بیتی کی بھی روایت موجود ہے۔

مجھے جیسا کہ علم ہوا ہے کہ محترم دادا جان ''بھاری بھرکم'' انسان تھے۔ بعض مخصوص لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فربہ جسم والے انسان ذہین نہیں ہوتے ہیں لیکن حضرت کی شان اس کے برعکس تھی۔ بے حد ذہین اور فطین انسان تھے۔ اور اپنے مخاطب سے دوران گفتگو اس کے مقصد ومنشا کو سمجھ لیتے تھے۔ اور اسی کے مطابق اس سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پھلواری شریف کی ایک علمی شخصیت مولانا تمنا عمادی کی تھی، ان سے بھی علمی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ کسی موقع پر شاہ صاحب کی فطانت وذہانت اور علمی مباحثات سے متاثر ہو کر مولانا تمنا عمادی نے کہا تھا کہ ''کسی موٹے اور بھاری جسم والے کو میں نے آج تک بھائی عبید اللہ صاحب جیسا ذہین وفطین نہیں پایا''۔ یہ مولانا کے فضل وکمال اور علمی لیاقت اور اسلامی علوم کے عمیق مطالعہ کی شہادت تھی۔ عربی کا مقولہ ہے

« الفضل ما شهدت به الا عداء »

مولانا شاہ عبید اللہ صاحبؒ کے بعض شاگردوں سے ملنے کا جب اتفاق ہوا تو ان لوگوں نے بھی مذکورہ مذاکرے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ایسے ہی علمی مذاکرے اور بحثیں مدرسہ شمس الہدیٰ کے حلقے میں بھی ہوا کرتی تھیں۔ تدریس کے اوقات کے علاوہ کچھ علماء اور طلباء آپ کے کمرے میں پہنچ جاتے تھے اور آپ سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ چونکہ حضرت کا مقصد حیات ہی تبلیغ دین اور علوم قرآنی کو ترویج دینا تھا اس لئے آپ بہت ہی خوش خلقی کے ساتھ علمی افادہ کرتے رہتے تھے اور سوالات سے خوش ہو کر سائل کے سوال کا بھرپور مدلل جواب دیتے تھے۔ یہ سلسلہ آخری عمر تک قائم رہا کیوں کہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں آپ بحیثیت مفسر قرآن بحال ہوئے تھے اور ملازمت کے دوران ہی آپ کی وفات بھی ہوگئی تھی۔ مدرسہ کے حلقے کے علاوہ پٹنہ کے ذی علم اور باوقار لوگوں پر بھی آپ کے علم وتبحر کا بہت اچھا اثر تھا۔

حضرت شاہ عبید اللہ قادریؒ کا زیادہ وقت تدریس وتعلیم کے مشاغل میں ہی گذرا کرتا تھا۔ آپ کے شب وروز کے جملہ اوقات بجز تدریس وتلقین کے اور کچھ نہ تھے۔ جس سے طالب علم حضرات کے علاوہ اور لوگوں کو علمی فوائد حاصل ہوتے رہے۔ یوں سمجھئے کہ آپ کا کارنامہ شخصیت کی تعمیر کا تھا۔ آپ سے تفسیر وحدیث کی تعلیم حاصل کئے ہوئے افراد کثیر تعداد میں تھے۔ ہندو پاک کے مختلف حصوں میں آپ کے شاگردوں کی معتدبہ تعداد موجود تھی۔ اسی وجہ سے آپ کو تصنیف وتالیف کا موقع کم ملا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ اس فن میں بھی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تصنیف کردہ تین کتابیں (۱) احسن المقال فی رویت الھلال (مطبوعہ ۱۳۵۷ھ) (۲) من رانی فی المنام فقدرآنی اور (۳) صحابہ اموئین پر تنقید وتبصرہ کا جواب موجود ہیں۔ صحابہ اموئین پر تنقید کے جواب کو رسالہ النجم لکھنو نے ۱۳۳۱ھ میں شائع کیا ہے۔ مدیر النجم مولانا عبد الشکور لکھنوی نے اس مضمون پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولوی عبید اللہ صاحب کا یہ مضمون لائق تحسین وقابل آفرین ہے، یہ ایک فریضہ تھا جس کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا جزاہ اللہ احسن الجزاء۔''

اس زمانے میں رویت ہلال کا مسئلہ علماء کے درمیان بحث کا موضوع بنا ہوا تھا۔آپ نے اس خاص مسئلے پر نہایت مدلل کتاب ''احسن المقال فی رویت الہلال'' تالیف فرمائی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو نئے جامہ میں دوبارہ منظر شہود پر لایا جائے۔آپ کا ذوق اتنا عالمانہ اور محققانہ تھا کہ پرچے میں کوئی ایسا مضمون نظر سے گذرتا جو آپ کے خیال میں محل نظر ہوتا تو اس پر اپنی رائے کے مطابق ایک سیر حاصل مقالہ تحریر کر دیتے تھے۔اس سلسلے کے کئی مضامین آپ کے مولانا ابو الکلام آزاد کے پرچے ''الہلال'' میں شامل ہوئے ہیں۔لیکن الہلال کا قاعدہ یہ تھا کہ اس میں مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا نام نہیں شائع ہوتا تھا۔خود علامہ سید سلیمان ندوی کے مضامین بھی بغیر ان کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت شاہ عبید اللہ قادریؒ کے متعدد مضامین الہلال میں شائع ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر ''فاعتبروا یا اولی الابصار'' یہ مضمون کئی قسطوں میں الہلال کے صفحات میں شائع ہوا ہے۔اس مضمون کے سلسلے میں اس دور کے کئی لوگوں نے بالخصوص جناب حکیم محمد امام پھلواروی نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ آپ کا ہے۔ایک واقعہ بھی انہوں نے ہی بتایا تھا کہ کسی تقریب کے موقع پر مولانا آزاد خدا بخش خاں لائبریری تشریف لائے ہوئے تھے جب آپ کو اس کا علم ہوا تو الہلال میں طبع شدہ کسی مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے خدا بخش لائبریری تشریف لے گئے تھے لیکن مولانا آزاد سے ملاقات نہ ہوسکی۔

عبادت وریاضت :

شغل تدریس وتعلیم کے علاوہ دوسری محبوب ترین چیز آپ کے نزدیک ریاضت ومجاہدہ وخوشنودی حق کے لئے عبادت الٰہی تھی۔حضرت امیر شریعت اول فیاض المسلمین مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ سے ان کو بیعت حاصل تھی اور ان کی تعلیم کے مطابق ذکر وسلوک کے بڑے اعلیٰ مدارج تک پہنچ گئے تھے۔اکثر خطوط کے ذریعہ بھی آپ ان سے باطنی استفادہ کیا کرتے تھے۔اور جیسے جیسے عمر ترقی کرتی گئی ان کا کسب وسلوک اور ذکر وشغل بڑھتا گیا۔ہمہ دم طاعت وعبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔اس سے فرصت ملتی تو تدریسی مشغلہ شروع ہو جاتا۔یہی دونوں آپ کے محبوب مشاغل تھے۔آپ حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کے رشتہ میں برادر نسبتی تھے، باہم بہت ہی خوشگوار تعلقات تھے۔جب بھی دونوں کی ملاقات ہوا کرتی تھی دونوں میں علمی وعرفانی انداز کی گفتگو ہوا کرتی تھی اور کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ نے اپنا ایک واقعہ اس طور پر بیان کیا کہ میں اپنے تعلیم گاہ لکھنؤ سے پھلواری شریف آیا ہوا تھا تو اس دوران حضرت شاہ صاحب کسی چھٹی میں مدرسہ سے آئے ہوئے تھے۔حسب معمول میں ان سے ملا، وہ مسکرا کر فرمانے لگے۔مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر کب تک یہاں آؤ گے۔پھر فرمایا کہ جلد تعلیم سے فارغ ہو کر یہاں آجاؤ، دوسری تعلیم کی بھی تکمیل کرنا ہے۔میں نے اس دن محسوس کیا تھا کہ ان کے چہرے پر کچھ اضمحلال اور ضعف کی کیفیت ہے لیکن اس کے باوجود خانقاہ میں جماعت کے لئے پنج وقتہ مسجد میں جانا اور اوراد ووظائف کی پابندی جاری تھی۔میں چھٹی گذار کر اپنی درس گاہ علم میں چلا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری قدس سرہ کا خط پہنچا، جس میں حضرت مولانا شاہ عبید اللہ صاحبؒ کی وفات کی خبر تھی۔ ہمارے حضرت نے ان کی وفات کی خبر بہت اندوہ گیں انداز میں تحریر کی تھی۔ خاص تاثر کے الفاظ یہ تھے۔ بھائی عبید اللہ مرحوم کے حادثہ رحلت سے سلسلۂ مجیبیہ میں ایک بہت ہی مرتاض اور کاسب وشاغل شخص کی کمی ہوگئی۔

ان کی نماز جنازہ بھی خانقاہ مجیبیہ میں ہی ادا کی گئی۔ سمجھئے کہ یہ ان کا دوسرا وطن تھا اور حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہ کے آستانے پر پورب کی جانب جگہ دی گئی جو اس وقت حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ اور مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کا بھی آستانہ ہے۔ تغمدہ اللہ برحمتہ وانزل علیہ شآبیب الرحمۃ والغفران۔

مولانا سید شاہ عبید اللہ قادریؒ کی وفات پر مشاہیر کا اظہار تاثر :

مولانا کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادری سجادہ نشیں پھلواری شریف نے فرمایا تھا آج وہ شخص دار فانی سے کوچ کر گیا جو عابد وزاہد شاغل وذاکر، عابد شب بیدار تھا۔ احکام خداوندی اور سنت نبویؐ پر عمل کرنے والا تھا۔

''آسماں ان کی قبر پر گہر افشانی کرے''

مولانا شاہ عبید اللہ قادریؒ کا علم منقولات ومعقولات میں ایک بلند مقام رکھتا تھا، اسی طرح ان کی عملی زندگی بھی اس کی آئینہ دار تھی۔ ان کے افعال واقوال میں یگانگت تھی۔ حسن اخلاق، جود وسخا، سنت نبویؐ کا اتباع ان کی زندگی کا شاہ کار تھا۔ لیکن موصوف نے اپنے تمام کمالات کو مخفی رکھا اور گمنامی کی زندگی گذار دی۔ آپ کے کچھ خطوط پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی نہایت سادگی اور بڑی جاں فشانی کے ساتھ گذاری ہے۔ آپ کی آمدنی محدود تھی، مزاج میں فقر وتوکل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بچوں کی بھی تربیت ایسی کی کہ انہوں نے بھی اپنی ساری زندگی نہایت سادہ پاک صاف گذاری۔ میں نے خود اپنے والد مولانا سید احمد عروج قادریؒ کو اسی انداز سے زندگی گذارتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے بالکل اپنے والد محترم کے نقش قدم پر ہی ساری زندگی گذار دی۔

امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبد الرحمن صاحبؒ جب امیر منتخب ہوئے تو میں بھی ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوا، چند حضرات وہاں تشریف فرما تھے جن سے مولانا محو گفتگو تھے جب فراغت ہوگئی تو میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور نام پوچھا۔ میں نے اپنا نام بتایا تو پوچھا۔ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ میرا جواب تھا۔ امجھر شریف۔ اس گاؤں کے نام کو سنتے ہی مولانا محترم چونک گئے اور پھر ایک سوال کیا کہ اسی بستی کے حضرت مولانا سید شاہ عبید اللہ صاحب مرحوم ومغفور ہوا کرتے تھے۔ کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ میرا جواب تھا کہ اس حقیر کے وہ دادا تھے۔ یہ سننا تھا کہ وہ اچانک اپنی نشست پر کھڑے ہوگئے اور مجھ کو اپنے سینے سے بھینچ لیا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ موصوف کی آنکھیں اشک بار ہیں۔ کچھ وقفے کے بعد جب کچھ سکون محسوس ہوا تو اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں نے بھی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ

کی آغوش میں اپنا کچھ وقت گذارا ہے اور مولانا مرحوم سے شاگردی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے یہ دیکھا اور سنا ہے کہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں درس وتدریس کے ایام مولانا نے اس طور پر گذارا ہے کہ آپ کی عزت وعظمت کے نقوش عوام وخواص کے دل پر کندہ ہو گئے تھے۔ حسن اخلاق، شفقت ومحبت، خلوص بیکراں اور خوش مزاجی آپ کے خاص اوصاف تھے۔ دوسری اہم چیز درس تفسیر قرآن تھا جو آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اور عمل صالح تھا۔ آپ کی قرآن فہمی اور درس قرآن عشق کی حد کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کی حیات مستعار کا واحد مقصد قرآن کے پیغام کو خواص عوام تک پہنچانا تھا، مدرسہ کے طلباء کو اپنی بلیغ تفسیر کے ذریعہ قرآنی آیات کے نکات ورموز سمجھانا تھا اور پیغام قرآن کو ان کی زندگی کا جزو لاینفک بنانا تھا۔

مولانا محترم نے مزید فرمایا کہ شاہ عبید اللہ صاحب تفسیر بیضاوی شریف جس وقت پڑھایا کرتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عربی ان کی مادری زبان ہے۔ خوب خوب تقریر کیا کرتے تھے۔ افہام وتفہیم کی ایسی صلاحیت تھی کہ طلباء سرشار ہو جاتے، کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑتے کہ سوال کرنے والا سوال کر سکے۔ ان کے عمیق تاثر اور جذباتی سوچ کا جب خیال کرتا ہوں تو بے اختیار ان کے عشق قرآنی کی وسعت وشدت کا منظر زبان حال سے یہ کہتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ واحسرتا! ''لوگوں نے قرآن کو کبھی پیار سے گلے نہ لگایا کبھی کوئی آنسو اس کتاب مبیں کے آستانہ نیاز پر قربان نہیں کیا جو دنیا کی سب سے عظیم کتاب اور سب سے حسین شاہ کار قدرت ہے۔''

حضرت شاہ صاحب طلباء کے ساتھ نہایت مشفقانہ ومخلصانہ تعلق رکھتے۔ طلباء بھی اپنے آپ کو ان کے اس قدر نزدیک محسوس کرتے کہ کبھی کوئی طالب علم شوخی کی حد تک آگے بڑھ جاتا۔ مولانا مسکرا کر رہ جاتے۔ آپ کے ایک اور شاگرد جناب مولانا سید محی الدین صاحب پیر بیگھوی نے ایک گفتگو کے دوران کہا کہ میں بہت شوخ تھا اور مجھے مولانا محترم کی خدمت کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ سلسلہ درس بھی جاری رہتا، یہی بزرگوں کا شیوہ بھی تھا۔ درس قرآن کا سلسلہ صرف مدرسہ کے حلقہ تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی ابتداء محمدی جان پٹنہ سیٹی کی مسجد سے ہی ہو چکی تھی جہاں پہلے آپ مدرس تھے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ میں مدرس ہونے کے بعد بھی مسجد محمدی جان میں یہ فیض عوام وخواص تک اپنی شیریں زبان سے پہنچاتے رہے۔

''میری محسن کتابوں کے سلسلے میں'' حضرت مولانا سید احمد عروج قادریؒ نے قرآن کا ذکر کیا اور فرمایا:

> ''قرآن فہمی مجھ کو والد محترم سے ملی ہے۔ مطالعہ قرآن کا شوق ان کی قرآنی تقریروں سے ہوا ہے۔ میں نے قرآن مبین کا درس دے کر اپنے والد کی سنت کو ادا کیا ہے۔ دوسری جانب میں نے قدرت کے اس عظیم شاہ کار کے آستانہ نیاز پر اپنے کو قربان کیا ہے۔''

واقعہ یہی ہے کہ مولانا سید احمد عروج قادری نے رام پور کے قیام کے دوران تقریباً تیس سال تک مسلسل رام پور کی مختلف مساجد میں اور جماعت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماعات میں قرآن کا درس دیا ہے۔ وہ ایک ایک آیت کے اسرار ورموز کو

اس طرح واضح کرتے کہ سامعین کا ذہن مطمئن ہو جاتا اور ان کے اسی درس کی بدولت سامعین میں قرآن فہمی کا صحیح شعور پیدا ہوا، آیات قرآنیہ کی ترجمانی اور اس کی تشریح وتفہیم اس قدر عمدہ انداز میں بیان فرماتے کہ سامعین متاثر ہوتے۔ زبان رواں سلیس اور عام فہم، ایسا بہتر انداز بیان کہ ہر شخص متاثر ہو جاتا، سامعین کو یہ احساس ہوتا کہ گویا علم قرآن کا دریا آہستہ آہستہ محو خرام ہو۔ اکثر دوران درس خشیت اللہ کے سبب رقت اور گریہ وزاری طاری ہو جاتی اور چند لمحے کے لئے درس رک جاتا۔ ایک لمحے کے لئے پوری مجلس پر خاموشی اور خشیت خداوند قدوس کا دور دورہ رہتا۔ حاضرین کی آنکھیں اشک بار سسکیوں کی آواز فضا میں گونجتی اور پھر مولانا کی بھرائی آواز سنائی دیتی اور درس قرآن شروع ہو جاتا۔ گویا کہ مولانا احمد عروج قادری اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبید اللہ صاحب کی جیتی جاگتی درس قرآن کی تصویر بن جاتے اور شاید یہ ان کے والد کی دعا کا ہی اثر تھا کہ اللہ تعالی نے اس کو تمام مکروہات اور ناپسندیدہ چیزوں سے محفوظ رکھا اور اس کو اپنے حبیب پاک کے طفیل خوش نصیب صالحین کے گروہ کا ایک فرد بنایا۔

حضرت مولانا شاہ عبید اللہ قادریؒ کے والد محترم قاضی سید تبارک حسین قادری کو خواب میں حضرت مولانا سید نا محمدن القادری کی طرف سے اپنے صاحبزادے کے بارے میں بھی بشارت ملی تھی۔ مولانا قاضی سید تبارک حسینؒ اپنے فرزند شاہ عبید اللہ کے حصول علم میں یکسوئی نہیں دیکھ کر فکر وتردد میں مبتلاء رہا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سید نا محمدن القادریؒ نے خواب میں بشارت دی کہ فکر وتردد کی کوئی بات نہیں ہے۔ عبید اللہ ایک عالم باعمل بنے گا۔ یہ خواب تھا جس میں بشارت دی گئی اور ایک مذکورہ دعا تھی جو مولانا عبید اللہ قادریؒ نے کی تھی۔ کتنی حسین مطابقت بشارت اور دعا میں ہے، خواب کی تعبیر بھی صد فی صد صحیح نکلی دونوں اپنے اپنے وقت کے بہترین عالم، بہترین فقیہ، بہترین مفسر قرآن، بہترین مدرس، اعلیٰ درجہ کے صوفی منش ہوئے۔ خوب خوب خداوند قدوس نے باپ اور بیٹے کو نوازا ہے۔

میں نے اپنے والد محترم مولانا سید احمد عروج قادری سے سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے تبحر قرآنی اور جذبہ خدمت قرآن نے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ دور دور سے لوگ فیضیاب ہونے کے لئے آنے لگے۔ آپ کو درس قرآن پر بہت زیادہ درک حاصل تھا اور یہی صفت مرجع خلائق بن گئی۔ مسجد محمدی جان میں درس قرآن ہوا کرتا تھا۔ جب آپ تفسیر بیان کرتے تو سماں بندھ جاتا، ایسا محسوس ہوتا کہ فرشتے جھوم رہے ہیں، درس کے دوران لوگ وجد میں آجاتے اور حق اللہ حق اللہ کی صدا بلند ہونے لگتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ تاثر ضبط نہ کر پاتے، خود بھی روتے اور مخاطبین کی آنکھیں بھی اشک بار ہو جاتیں۔ اس کا ذکر سید شاہ مصطفی صاحب محلہ باغ کالو خاں بھی کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پٹنہ سیٹی میں ہر جمعرات کو مولانا حسن صاحب محلہ شاہ کی املی میں بلا ناغہ آیا کرتے تھے جس میں علماء اور اہل علم و دانش شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا شاہ عبید اللہ صاحب اس مجلس میں درس قرآن دیا کرتے تھے اور تفسیر بیان کرتے تھے۔ میں نے علماء اور اہل علم کو ان کے درس قرآن پر سر دھنتے ہوئے دیکھا ہے۔ تفسیر کے ساتھ عربی ادب پر بھی انہیں عبور حاصل تھا۔

میرے والد محترم مولانا سید احمد عروج قادری فرماتے تھے ۔،ابا جان کے انداز بیان میں بہت نرمی اور جادوئی اثر تھا جس سے انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔قرآنی اسرار ورموز کے بیان کا طرز بہت عام فہم،سلیس اور شگفتہ ہوا کرتا تھا۔ آواز عشق قرآنی کے سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی۔

شادی :

مولانا سید شاہ عبید اللہ قادریؒ کی تین شادیاں ہوئیں۔پہلی شادی بی بی رفیقاً بنت جناب سید شاہ منشی عبد الوہاب ساکن موضع بھر تھولی ضلع گیا، ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ میں ہوئی تھی۔ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وہ صرف چھ سال حیات رہیں۔ دوسری شادی بی بی صالحہ خاتون بنت شاہ حبیب اللہ عرف شاہ بدھو ساکن قصبہ شاہو بیگھہ سے ہوئی تھی۔ان سے دو صاحبزادے مولانا سید محمد قادریؒ اور جناب مولانا سید احمد عروج قادریؒ ہوئے۔تیسری شادی بی بی انیس فاطمہ بنت سید افضال حسین ولد سید اقبال حسین ساکن شہر مظفر پور محلہ سعد پورہ سے ہوئی۔ان کے بطن سے چھ صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے ہوئے۔ان میں سے تین صاحبزادیاں صاحب اولاد ہوئیں۔صاحبزادے محمود عین جوانی میں انتقال کر گئے،جنہوں نے مدرسہ خانقاہ سہسرام سے عالمیت کی تھی اور اپنے بھائی بزرگوار مولانا سید احمد عروج قادری کے زیر نگرانی تعلیم مکمل کی تھی۔

وفات :

سید ابو المحفوظ محمد محمود الحسن نطق شمسی نے اپنی تصنیف نور الہدیٰ مطبوعہ ۱۹۴۱ء میں ''حادثات کا سلسلہ'' ایک عنوان قائم کر کے مولانا سید حافظ عبد الرشید صاحب اور جناب مولوی سید محمد ظہور احمد ۱۹۳۹ء ان دونوں حضرات کے سفر آخرت درپیش ہونے کا ذکر کیا۔اس کے بعد لکھا کہ ابھی ان دونوں بزرگوں کا غم طلباء اساتذہ کو بھولا بھی نہیں تھا کہ ۲/اگست ۱۹۳۹ء کو مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری مرحوم بھی راہی جنت ہوئے۔آپ اعلیٰ خاندان بزرگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے اولاد ذکور میں تھے۔صوفی مشرب،اعلیٰ حوصلہ اور عالم متبحر تھے۔آپ کا انداز تحریر وتقریر خطیبانہ اور دلکش تھا۔تمام علوم وفنون خصوصاً تفسیر قرآن میں ماہر تھے۔آپ کی ہستی طلباء ومدرسین اور افسروں میں ذی وقار اور محترم تھی۔وسیع الاخلاق تھے۔اساتذہ کرام عموماً بعد ظہر آپ کے حجرے میں فرصت کا وقت گذارتے اور آپ نہایت ہی اخلاق سے پیش آتے۔(جناب ارشد جمیل ریڈر شعبہ اردو متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ نے مذکورہ کتاب سے مجھے یہ معلومات بہم پہنچائیں۔)

''موت العالِم موت العالَم''

اس عنوان کے تحت جریدہ نقیب پھلواری شریف نے ۷/اگست ۱۹۳۹ء میں تحریر کیا ہے کہ یہ خبر نہایت حسرت ناک ہے کہ مولانا قاضی سید عبید اللہ قادری امجھریؒ نے جو امارت شرعیہ کے مجلس شوریٰ کے رکن اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ بانکی پور کے مدرس تھے ۱۵/جمادی الثانی ۵۸ھ مطابق ۲/اگست ۱۹۳۹ء کی شب تقریباً ۲/بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون. مولانا مرحوم علمی وعملی دونوں اعتبار سے سلف صالحین کے نمونہ تھے۔ایک جید اور زبردست عالم ہونے کے ساتھ ذاکر وشاغل صوفی بھی تھے۔اخلاص کے پیکر اور بے ریا زندگی کے مالک تھے۔حضرت مولانا مرحوم کا حادثہ ارتحال علمی دنیا کے لئے سخت ترین حادثہ ہے۔اللہ عزوجل مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کے اعزہ ومتعلقین اور تلامذہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

حوالہ جات :

حضرت مولانا سید شاہ عبید اللہ قادریؒ کی شخصیت اہل علم کے نزدیک محتاج تعارف نہیں ہے، بلکہ مشہور ومعروف ہے لیکن ان کے تفصیلی حالات اب تک جمع نہیں کئے گئے ہیں۔روایات مصدقہ اور مستند ومعتبر شخصیات سے جو کچھ میں نے سنا اسی کو جمع کر دیا ہے۔اس مضمون کی تیاری میں جن حضرات سے استفادہ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
(۲) حضرت مولانا عبدالرحمنؒ، امیر شریعت خامس، امارت شرعیہ، بہار، اڑیسہ (حضرت کے شاگرد)
(۳) سید شاہ مصطفیٰؒ (حضرت کے برادر نسبتی)
(۴) حکیم سید محمد امام پھلواریؒ
(۵) مولانا حبیب اللہؒ امیر جماعت اسلامی، چترپور رانچی (شاگرد)
(۶) مولانا سید محی الدینؒ پیر بیگھوی (شاگرد)
(۷) قاضی سید محب اللہ قادریؒ (حضرت کے برادر خورد اور میرے نانا واستاد اولیں) امجھر شریف نے حضرت مولانا قاضی سید تبارک حسین قادری امجھری (حضرت کے والد) کے جو حالات ترتیب دیئے ہیں اس سے بھی مدد لی گئی ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ''المجیب'' میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ''المجیب'' پھلواری شریف، پٹنہ

اسلام کا معاشرتی وسماجی نظام

● ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سماج ومعاشرہ کا مفہوم :

عربی زبان وادب میں سماج کو ''معاشرہ'' ''عاشرہ'' سے اخذ کیا ہے، جس کے معنی باہم مل جل کر رہنا ہے—(۱) البتہ ابن منظور نے لسان العرب میں معاشرہ کو معشر سے ماخوذ بتایا ہے اور اس کے لغوی معنی جماعت قوم یا گروہ کے بتائے ہیں، اصطلاح میں معاشرہ کا درج ذیل مفہوم بیان کیا جاتا ہے:

المعاشر جماعات الناس والمعشر الجن والانس وفی التنزیل یامعشر الجن والانس —(۲)

Principales of Sociology کے مصنف انوار نے لفظ سوسائٹی کو لاطینی زبان کے لفظ Socious سے ماخوذ مانا ہے اور اس کے معنی باہمی تعلق، شرکت اور نسبتاً مستقل رفاقت کے بتائے ہیں—(۳)

Cambridge International Dictionary of English میں لفظ سوسائٹی کا درج ذیل مفہوم بیان کیا گیا ہے:

A Large of People Who live together in an Organized way-making decisions about how to do things and sharnig that needs to be done all People in a Country or in a Several Countries Cunberefereed as Society—(۴)

ترجمہ : ایسے لوگوں کا ایک بڑا گروہ جو منظم طریقے سے یکجا رہتے ہیں، یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ چیزوں کو کس طرح کیا جائے اور اس بارے میں باہم مشاورت کرتے ہیں کہ ان کو کس طرح ہونا چاہئے، اس طرح کے تمام لوگ جو کسی ایک ملک میں ہوں یا کئی ممالک میں ہوں سب کو معاشرہ کہا جائے گا۔

Library of world Knowledge کے مصنف نے معاشرہ اور خاندان کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے:

The Family is a Fundamental unit of an Organized Society,Commonly it is also Upplied to those having a Common an Celst and Collectively used to

denote a group Consisting of Parents and Children,remained as tribe clan or racel—(۵)

ماہرین عمرانیات ومعاشرت اور سماجی علوم کے اسکالرس معاشرہ کی تعریف وتوصیف میں مختلف الرائے ہیں۔سطور بالا میں جو مفہوم ومعنی بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی دوسری آراء موجود ہیں۔

میکلور کے مطابق معاشرہ تغیر پذیر.....سماجی تعلقات کا نام ہے،معاشیات کا مفکر آدم اسمتھ کے نزدیک معاشرہ فطری معیشت کا ایک مصنوعی آلہ ہے،پروفیسر رائیٹ کی تحقیق کے مطابق معاشرہ باہمی تعلقات کا وہ نظام ہے جو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے۔لینٹن کے مطابق معاشرہ لوگوں کا وہ گروہ ہے جو طویل عرصے سے اکھٹے رہ کر ایک سماجی اکائی کی صورت میں تنظیم پاتا ہے—(۶)

پروفیسر غلام رسول چودھری نے اپنی کتاب ''اسلام کا عمرانی نظام'' میں معاشرہ کے متعلق ایف ایچ۔گونگز کا نظریہ اس طرح بیان کیا ہے:

''معاشرہ ایک جیسے خیالات رکھنے والے افراد کا مجموعہ ہے،جو ہم خیالی کو پسند کریں اور اس بناء پر مشترکہ مفادات کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں''—(۷)

خالد علوی نے اپنی کتاب اسلام کا معاشرتی نظام میں لکھا ہے:

''عمرانی علم (Sociology) کا تعلق انسانی معاشرت سے ہے،چونکہ انسان ہمیشہ معاشرتی زندگی گزارتا رہا ہے اور معاشرہ کا فرد رہا ہے اس لئے اس نے معاشرہ کو اپنے لئے کوئی الگ چیز نہیں سمجھا اور اس کے بارے میں اس کا علمی رویہ ایسا رہا ہے جیسا اپنی ذات کے بارے میں ہوتا ہے۔انسان اپنے وجود کو ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے اور اس کے بارے میں اسے اس وقت خاص احساس نہیں ہوتا جب تک وجود کو کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا،اس طرح معاشرے کے بارے میں بھی اسے الگ علمی وتفتیشی سرگرمی کا بھی خیال نہیں آیا''—(۸)

مذکورہ تمام تعریفات کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاشرہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جو مشترکہ مفادات کے لئے ایک دوسرے سے امداد وتعاون کی خاطر مجتمع ہو اور ان کے معاملات باہمی فیصلہ سے ایک ہی طرز پر طے پاتے ہیں۔اس بنا پر ان کے افکار،عادات اور اقدار میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ضمناً یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ اور سماج کا مقصد وغرض وغایت کیا ہے کیونکہ جب تک معاشرہ وسماج کا مقصد اور اس کی غرض وغایت کا تصور واضح نہیں ہوگا اس وقت معاشرتی اور سماجی نظم وضبط کے فوائد سے استفادہ ناممکن ہے۔

معاشرہ کا موضوع :

خالد علوی اپنی کتاب ''اسلام کا معاشرتی نظام'' میں لکھتے ہیں:

''علم المعاشرہ(Sociology) کاموضوع''اجتماعی رشتے'' ہیں اورعلم کی کوئی اور برانچ اس کی شریک نہیں ہے،سوشیالوجی ان رشتوں کامطالعہ اس لئے نہیں کرتی کہ وہ معاشی،سیاسی یامذہبی ہیں بلکہ اس لئے کرتی ہے کہ وہ اجتماعی معاشرتی ہیں۔انسانی زندگی کے کئی پہلو ہیں۔معاشی،سیاسی،جمالیاتی اورمذہبی وغیرہ لیکن جو چیزان سب تعلقات کومجتمع کرتی ہے وہ معاشرتی پہلو ہے۔یہ رشتہ جس میں ایک انسان دوسرے انسان سے بطورانسان ربط قائم کرتا ہے،یہ انسانی رشتہ ہے جومختلف افراد کوایک اجتماعیت میں منظم کرتا ہے،معاشرہ بنیادی طور پر یکساں ،لیکن عملی طور پرہمیشہ تغیر پذیر ساختوں کانام ہے،جن سے ان رشتوں کی کلیت معلوم ہوتی ہے،عمرانیات کے طالب علم کی بنیادی دلچسپی گروہی منظر ہے جس میں کچھ انسان اس طرح سرگرم عمل ہیں کہ وہ مشترک اداروں کومحفوظ ومستحکم کرتے ہیں۔انسانی رویے ان تعلقات کی حیثیت متعین کرتے ہیں اورگروہی منظر میں یہ رویے بنیادی کردارادا کرتے ہیں۔علم المعاشرت کانفس مضمون گروہ،معاشرتی عمل،معاشرتی مسائل،معمولات ثقافت،معاشرتی تغیر،اجتماعی کرداراوراداروں وغیرہ پرمشتمل ہے، علم المعاشرت میں معاشرہ کے مسائل کاجائزہ اوران کے حل کاتجزیہ کیاجاتا ہے مثلاً جرائم،برائیاں،ناخواندگی،غربت، بے روزگاری وغیرہ۔ثقافت کسی معاشرہ کے راہ عمل کانام ہے اس لئے اس کامطالعہ کیاجاتا ہے۔چونکہ معاشرے حیاتیاتی وجود پرمشتمل ہوتے ہیں۔اس لئے ان کامتحرک وفعال رہنافطری تقاضا ہے،معاشرتی تغیر کاتعلق اس تحریک سے ہے اس لئے اس تغیر کامطالعہ علم المعاشرت کااہم موضوع ہے۔معاشرتی تحریکیں،انجمنیں،جلسے،جلوس،ہڑتالیں اورمطالبات وغیرہ معاشرتی تحریک کی علامتیں ہیں،ان کامطالعہ بھی المعاشرت کاہے''۔۔۔(۹)

پروفیسر چودھری غلام رسول نے اپنی تالیف''اسلام کاعمرانی نظام'' میں معاشرہ کے درج ذیل فوائد بیان کئے ہیں:

الف : معاشرہ افراد کاایک ایسامجموعہ ہے جومشترک مفادات کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کررہتے ہیں۔

ب : معاشرہ کووجود میں آنے کے لیے کافی عرصے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج : ضروریات زندگی کی تکمیل معاشرہ کااولین فرض ہوتا ہے۔

د : معاشرہ باہمی تعاون اورتعلق کی مستقل بنیادوں پرقائم ہوتا ہے۔

ہ : ایک معاشرہ کےلوگوں کی ثقافت مشترک ہوتی ہے۔

و : معاشرہ کےسب ارکان اپنے آپ کوایک وحدت سمجھتے ہیں۔۔۔(۱۰)

مذکورہ آراءاس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ معاشرتی نظام اورسماجی وحدت کامفہوم بہت وسیع ہے کیونکہ اس ادارے کے اندرتمام حیاتیاتی پہلوشامل ہیں۔گویا علم المعاشرت وہ گروہ ہے جونوع انسانی کی جملہ حاجات وضروریات پرمحیط ہے، اورمعاشرتی نظم وضبط کاجوبنیادی اوراہم تصور ہے وہ ہے انسانیت کے مابین بلاکسی بھید بھاؤ کے وحدت واتحاد کاتصورپیش کرنا، اورگروہ انسانی کوایک لڑی میں پرونا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی ضرورت :

ایس ایم شاہد نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار'' میں اسلامی معاشرہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''اسلامی معاشرہ سے مراد انسانوں کا اجتماع ہے جن کی زندگیوں کے تمام شعبے مذہبی، معاشی، سیاسی، اخلاقی وغیرہ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق بسر ہوں، اسلامی معاشرہ دنیا کے تمام نسلی، قومی اور وطنی معاشروں کے برعکس خالص دینی واخلاقی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ جس میں انسانوں کے باہمی اجتماع کا مقصد ایک عقیدۂ توحید اور ایک اخلاقی ضابطۂ حیات ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کا خلیفہ یا نائب ہونے کی ہے، خلافت اور نیابت کی ذمہ داری ہی انسان کی زندگی کو بامقصد بنا دیتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کو قائم کیا جائے، کیونکہ تشکیل معاشرہ کے بغیر انسان نہ تو خدا تعالیٰ کے احکام کو دنیا میں نافذ کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کے مطابق اس دنیا کا نظام چلا سکتا ہے''۔۔۔(۱۱)

درحقیقت اسلام میں معاشرے کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کا ہر فرد اپنی شخصیت کی تعمیر خوف خدا دل میں رکھتے ہوئے کرے تاکہ وہ معاشرہ کا ایک صالح رکن بن سکے اور تمام افراد معاشرہ باہم ایک دوسرے کی اصلاح کرتے رہیں تاکہ معاشرہ مجموعی طور پر بھی ترقی کرے اور ایک عالم گیر حیثیت اختیار کرے جو صحیح معنوں میں خدا اور رسول ﷺ کے مطیع وفرماں بردار مؤمنین کا معاشرہ ہو۔۔۔(۱۲)

پتہ یہ چلا اسلام ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی ہدایت کرتا ہے جس میں نوع انسانی خوف خدا، تقویٰ اور دیگر روحانی وپاکیزہ صفات کا خوگر ہو، جب معاشرہ، انسانیت کے اعلیٰ اوصاف سے آراستہ ہوگا تو یقیناً اس کے جو فوائد ہیں وہ ضرور حاصل ہوسکیں گے۔ لہٰذا ایس ایم شاہد نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار'' میں اسلامی معاشرہ کے چار مقاصد وامتیازات بیان کئے ہیں:

(۱) معاشرے کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ فرد کی زندگی انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بہتر ہو، انفرادی حیثیت سے فرد کو اپنی سہولتیں میسر ہوں۔ جن سے اس کی تمام صلاحیتیں پوری طرح نشوونما پاسکیں۔ اور ان کو اجاگر ہونے کا پورا موقع مل سکے۔

(۲) اجتماعی حیثیت سے معاشرہ کا نصب العین یہ ہے کہ تمام افراد قومی ترقی کے حصول کی کاوش کریں، پھر قومی اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیا کی دوسری اقوام سے اپنے رشتے استوار کریں، جس سے تمام بنی نوع انسان ایک ہی برادری کے رکن معلوم ہوں اس طرح وہ اجتماعی طور پر کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہوجائیں گے اور دنیا میں اپنا مخصوص مقام حاصل کرلیں گے۔

(۳) معاشرہ کاایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ افراد کی اخلاقی ترقی کاضامن ہو،ان میں جذبہ خدمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کرے ،معاشرے کے تمام افراد میں ہمدردی،باہمی تعاون ،اوراخوت کے جذبات پیدا کرے تاکہ خود غرضی اورطبقاتی منافرت کاخاتمہ کیاجاسکے،اور باہمی اتحادوتعاون سے افرادکوروشناس کرایاجائے۔

(۴) معاشرے کافرض ہے کہ وہ افراد کی معاشی ضروریات کی اشیاء بہم پہنچائے ان کے بغیر فرد نہ تو انفرادی حیثیت سے معاشرے کوکوئی فائدہ پہنچاسکتاہے اورنہ ہی اجتماعی حیثیت سے معاشرہ کی کوئی خدمت کرسکتاہے۔

(۵) معاشرہ کاایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ ہرفرد کوترقی کے مواقع فراہم کرے اس کی جسمانی اورذہنی بہتری کے لئے سہولتیں پہنچائیں اوران میں عوام کاخاص خیال رکھاجائے۔۔۔(۱۳)

اسلام نے جومعاشرہ اورتنظیم واتحاد کاتصورپیش کیاہے اس کامقصد ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کرناہے،جس میں تمام نوع انسانی کو یکساں حقوق حاصل ہوں اونچ نیچ،ذات پات اورتنقیص وتقصیر کاشائبہ تک نہ پایاجائے۔سطورذیل میں اسلام کے معاشرتی نظام کوقرآن وسنت،تاریخ وسیر کے حوالہ سے پیش کیاجائے گا۔

وحدت انسانی کاتصور :

اسلام نے وحدت انسانی کاایساجامع تصورپیش کیاہے جس میں نسلی ،مذہبی،طبقاتی اورعلاقائی امتیاز وفرق کوقطعی نابود کردیاہے۔اسلام میں طبقاتی نظام اورمعاشرتی عدم استحکام جیسےغیرفطری اورغیرشرعی نظریہ کوکوئی جگہ نہیں ہے،بلکہ مذہب اسلام نے انسانی گروہ اورطبقات کوانسانیت وہمدردی ،مواسات ومدارات کے دائرہ میں لاکھڑاکیاہے،وحدت انسانی کے تمام بنیادی شعورآگہی کے زیورسے مزین کیاہے،حتی کہ مذہب وملت تک کی کھائی کوپاٹ کرایک انسانی اکائی میں پرودیاہے اس تصورکوقرآن کریم میں اس طرح پیش کیاہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔(سورہ حجرات:۱۳)

ترجمہ : اےلوگو ہم نے تم کوایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیاہے،اورتم کومختلف قومیں اورمختلف خاندان بنایاتاکہ ایک دوسرے کوشناخت کرسکو اللہ کےنزدیک تم سب میں بڑاشریف وہی ہے جوسب سے زیادہ پرہیزگارہواللہ خوب جاننے والاپوراخبردارہے۔

اس آیت میں تمام بنی آدم کووحدت کاپیغام دیاگیاہے اوریہ بتایاگیاہے کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے آدم وحواءعلیہماالسلام سے تخلیق کیاہے،سیدابوالاعلیٰ مودودی نے آیت کے ذیل میں انتہائی اہم اورقیمتی نکات بیان کئے ہیں۔

''ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی، اس سلسلۂ تحقیق میں کسی جگہ بھی اس تفرقہ اور اونچ نیچ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے، جس کے زعم باطل میں تم مبتلا ہو۔ ایک ہی خدا تمہارا خالق ہے، ایسا نہیں کہ مختلف انسانوں کو مختلف خداؤں نے پیدا کیا ہو، ایک ہی مادۂ تخلیق سے تم بنے ہو، ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ انسان کسی پاک اور بڑھیا مادے سے بنے ہوں اور کچھ دوسرے انسان کسی ناپاک یا گھٹیا مادے سے بن گئے ہوں ایک ہی طریقے سے تم پیدا ہوئے ہو، یہ بھی نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کے طریق پیدائش الگ الگ ہوں، اور ایک ہی ماں باپ کی تم اولاد ہو، یہ بھی نہیں ہوا ہے کہ ابتدائی انسانی جوڑے بہت..... سے رہے ہوں جن سے دنیا کے مختلف خطوں کی آبادیاں الگ الگ پیدا ہوئی ہوں۔ اسی طرح اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہوجانا ایک فطری امر تھا، ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہوسکتا تھا، نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود میں آجائیں۔ اس طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرز بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہی ہوجاتے تھے، مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کئے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے، خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی تھی، اس طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے، تیسرا اہم نکتہ مذکورہ آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے، جو محض اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو، ایسا شخص کسی بھی قوم، ملک، خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہو اپنی ذاتی خوبی کی بناء پر قابل قدر ہے''۔۔۔(۱۴)

مفتی شفیع اپنی متداول تفسیر معارف القرآن میں درج بالا آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پاگئے۔ ان کو یہ روز دیکھنا نہیں پڑا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے، ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا

تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔(۱۵)

مفتی شفیع آگے تحریر کرتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے اگر چہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں، قبیلوں میں جو حق تعالیٰ نے ہی فرمائی ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہوسکتا ہے اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہوسکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں، عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے جس کی ضرورت تقسیم میراث میں پیش آتی ہے، خلاصہ یہ کہ نسبی تعارف کو تعارف کے لئے استعمال کرو تفاخر کے لئے نہیں''۔۔۔(۱۶)

دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ –(سورہ اعراف:۱۷۲)

ترجمہ : اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔

وحدت انسانی کے فلسفہ کو قرآن میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①–(سورہ نساء)

ترجمہ : اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں''۔

آیت کے ذیل میں مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن میں رقم طراز ہیں:

''اس آیت میں جس تقویٰ کی ہدایت کی گئی ہے اس کا ایک ایک خاص موقع و محل ہے، اس تقویٰ سے مراد ہے کہ یہ خلق آپ سے آپ وجود میں نہیں آ گئی ہے۔ بلکہ خدا کی پیدا کی گئی ہے جو سب کا خالق بھی ہے اور سب کا رب بھی۔ اس وجہ سے کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اس کو ایک بے مالک اور بے راعی کا ایک آوارہ گلہ سمجھ کر اس میں دھاندلی مچائے اور اس کو اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے بلکہ ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اس کے معاملات میں انصاف اور رحم کی روش اختیار کرے ورنہ یاد رکھے کہ خدا بڑا زور آور اور بڑا منتقم و قہار ہے، جو اس کی مخلوق کے معاملات میں دھاندلی مچائیں گے وہ اس کے قہر و غضب سے نہ بچ سکیں گے۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔

دوسری یہ کہ تمام نسل آدم ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، اس پہلو سے عربی وعجمی، احمر واسود اور افریقی وایشیائی میں کوئی فرق نہیں ،سب خدائی مخلوق اور سب آدم کی اولاد ہیں، خدا اور رحم کا رشتہ سب کے درمیان مشترک ہے، اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ سب ایک ہی خدا کی بندگی کرنے والے اور ایک ہی مشترک گھرانے کے افراد کی طرح آپس میں حق وانصاف اور مہر ومحبت کے تعلقات رکھنے والے بن کر زندگی بسر کریں۔ تیسری یہ کہ جس طرح آدمؑ تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اس طرح حوا تمام نسل انسانی کی ماں ہیں، اللہ نے حوا کو آدم ہی کی جنس سے بنایا ہے اس وجہ سے عورت کوئی ذلیل، حقیر، فروتر اور فطری گنہگار مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ بھی شرف انسانیت میں برابر کی شریک ہے، اس کو حقیر وذلیل مخلوق سمجھ کر نہ اس کو حقوق سے محروم کیا جاسکتا ہے نہ کمزور خیال کر کے اس کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے''۔۔۔(۱۷)

مذکورہ شواہد سے پتہ چلا کہ اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن کریم میں بلاتفریق مذہب وملت وحدت انسانی کا تصور پایا جاتا ہے اور معاشرتی وسماجی رواداری وتہذیب کا جو اعلیٰ ومعیاری نمونہ قرآن کی مذکورہ آیات میں پیش کیا گیا ہے، وہ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام نوع انسانی، آدم وحوا کی اولاد ہیں، بناء بریں ہماری ذمہ داری ہے کہ بحیثیت انسان باہم خیال رکھیں، تعاون وامداد کا معاملہ کریں، نیز کسی پر ظلم وزیادتی اور ناانصافی وسماجی نابرابری کا رویہ کسی بھی فرد کے ساتھ نہ کریں۔

علاوہ ازیں معاشرتی روابط کو مستحکم کرنے اور سماج میں ایکتا وامن واتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت محمد ﷺ نے مختلف مواقع اور متعدد بار ارشادات وہدایات نسل انسانی کے لئے فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمد ﷺ نے طواف کعبہ کے بعد جو تقریر ارشاد فرمائی، اس میں بھی معاشرتی اتحاد اور وحدت انسانی کا جذبہ پایا جاتا ہے:

الحمدللہ الذی اذھب عنکم عیبۃ الجاھلیۃ وتکبّرھا۔ یاایھا الناس،الناس رجلان،برٌّ تقی کریمٌ علی اللہ،وفاجر شقی ھیّن علی اللہ،الناس کلھم بنواٰدم وخلق اللہ آدم من تراب۔ (۱۸)

ترجمہ : شکر ہے اس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور اس کا تکبر دور کر دیا، لوگو! تمام انسان دو ہی حصوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ ایک، نیک اور پرہیزگار، جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے، ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط میں آپ ﷺ نے ایک تقریر کی اور اس میں فرمایا:

یاایھا الناس ،الا ان ربکم واحدٌ لافضل لعربی علی عجمی ولالعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولالاحمر علیٰ اسود الا بالتقویٰ ،ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم ،الا!ھل بلّغت ،قالوبلی یارسول اللہ ،قال فلیبلغ الشاھد الغائب۔(۱۹)

ترجمہ : لوگو! خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے

پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بتاؤ! میں نے تمہیں بات پہنچادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا: اچھا تو جو موجود ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچادے جو موجود نہیں ہیں"۔

اس سے ثابت ہوا کہ بنیادی طور پر آدمی ہونے میں تمام انسان مساوی ہیں، اس تصور کو ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مامن مولود الا یولد علیٰ الفطرۃ فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ ، کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء؟ ثم یقول ابوھریرۃ اقرءوا وان شئتم فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ الایۃ۔(۲۰)

ترجمہ : کوئی پیدا ہونے والا بچہ نہیں مگر وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں، جیسے ایک حیوان صحیح سالم حیوان کو جنم دیتا ہے، کیا تم نے ان میں سے کوئی کان کٹا دیکھا ہے؟ حضرت ابوھریرۃؓ فرماتے تھے اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو، اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں"۔

اس حدیث کے مطابق ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت کے اصولوں کے مطابق پیدا ہوتا ہے پیدائشی طور پر اس میں کجی، خامی اور فرق نہیں ہوتا۔ تمام پیدا ہونے والے انسان اپنے خمیر اور سرشت پر صرف اور صرف انسان پیدا ہوتے ہیں، اب فطری طور پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سرشت و فطرت کیا ہے جس پر تمام انسان پیدا ہوتے ہیں، اس کی وضاحت ایک دوسری روایت میں بھی ہوتی ہے:

"کل مولود یولد علی الفطرۃ" قال ھٰذا عندنا حیث اخذاللہ العھد علیھم فی اصلاب آبائھم حیث قال: الست بربکم قالوبلیٰ۔(۲۱)

ترجمہ : "کل مولود یولد" کی تشریح اس طرح فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ نے باپوں کی پشتوں سے روحیں نکال کر کہا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔

ایک دوسری روایت میں محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔(۲۲)

ترجمہ : تمام مخلوق اللہ کا عیال ہے پس اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الناس بنو آدم وادم من تراب ولینتھین اقوام فخرھم برجال اولیکونن اھون عند اللہ من عدتھم من الجعلان"۔(۲۳)

ترجمہ : تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے،لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔

ایک اور روایت میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لایسئلکم عن احسابکم ولاعن انسابکم یوم القیامۃ،ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"۔(۲۴)

ترجمہ : اللہ قیامت کے دن تمہارا حسب ونسب نہیں پوچھے گا۔اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے،جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری روایت بھی ملاحظہ کرتے چلئے:

ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔(۲۵)

ترجمہ : اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام احادیث کے تناظر میں بڑے وثوق سے مولانا مودودی کی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے:

"یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کرکے دکھائی،جس میں رنگ،زبان،وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں تھی،خواہ وہ کسی نسل وقوم اور ملک ووطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں"۔(۲۶)

وحدت انسانی کا مثالی شاہکار دستور مدینہ :

حضرت محمد ﷺ نے مختلف مذاہب وادیان کے حاملین اور تمام اکائیوں کو ملا کر وحدت انسانی اور مساوات انسانی کا عملی نمونہ پیش فرمایا،ہجرت مدینہ کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں مختلف مذاہب کے علمبردار موجود تھے،مثلاً،یہودی،نصاریٰ،قریش مکہ،ساکنین مدینہ اور مسلمان،اللہ کے رسول ﷺ نے ان تمام اقوام کے افراد سے اپنے مذاہب پر عمل پیرا رہتے ہوئے انسانی دائرہ کی عالمی وحدت میں شامل کرنے کے لئے باقاعدہ دستور مرتب کیا جسے تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،اس دستور میں پچپن (۵۵) دفعات ہیں،جو قومی یکجہتی اور سماجی برابری وعدل و مساوات پر بین ثبوت ہیں۔

ان دفعات میں سے ذیل میں چند دفعات کو پیش کیا جارہا ہے:

ھذا کتاب من محمدالنبی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بین المؤمنین والمسلمین من قریش (واھل) یثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھدمعھم۔(۲۷)

ترجمہ : یہ تحریری معاہدہ ہے اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی جانب سے قریش کے مومنین ومسلمین اوراہل یثرب (مدینہ) کے درمیان اوران کے لئے جوان کے تابع اورساتھ ہیں اوران کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

اس معاہدہ کی دوسری شق میں کہا گیا:

انھم امۃ واحدۃ من دون الناس۔(۲۸)

ترجمہ : یہ دوسرےلوگوں سے علیحدہ ایک ہی امت ہوگی۔

ایک اورشق میں مذکور ہے:

وان یہود بنی عوف امۃ مع المومنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم الامن ظلم واثم ،فانہ لایوتغ الانفسہ واھل بیتہ۔(۲۹)

ترجمہ : یہود بنی عوف ،ان کے حلیف اورموالی سب مل کرمسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت ہوں گے،لیکن یہودی اپنے دین پراورمسلمان اپنے دین پرقائم رہیں گے۔البتہ جس نے گناہ اورظلم کیاوہ اپنے آپ کواوراپنے گھروالوں کومصیبت میں ڈالے گا۔

اس اولین تحریری دستاویز نے جوعالمی برادری کاجامع تصورپیش کیااس کی افادیت ومعنویت ہردورمیں مسلم رہی ہے۔نیزاس دستاویز کےتناظرمیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

بلاتفریق مذہب وملت تمام انسانوں کوبحیثیت انسان کے مساوی درجہ دیااورتمام لوگوں کواپنے اپنے نظریئے پر قائم رہتے ہوئے اتحاداوروحدت انسانی کاعملی جامہ پہنایا۔

وحدت انسانی اورمعاہدہ حلف الفضول :

اس سلسلہ میں دوسری اہم اورمستحکم شہادت معاہدہ حلف الفضول کی پیش کی جاسکتی ہے۔یہ معاہدہ اگرچہ قبل ازنبوت کاہے مگراس کی عظمت وافادیت سے قطعی انکارنہیں کیاجاسکتاہے،یہ واقعہ مکہ کاہےاوریہ اس وقت کی بات ہے جب مکہ میں ظلم وتعدی،اوربدامنی وبدعنوانی کی بالادستی قائم تھی،ایسے پرآشوب دورمیں حضرت محمد ﷺ نے وحدت انسانی کے تصورکابنیادی خاکہ پیش کیااوراس پرعمل بھی کیا،اس معاہدہ کی کافی تفصیلات کتب سیروتواریخ میں موجودہیں،چنانچہ ابن ہشام اورابن اثیر نے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

تحالفوا وتعاقدوا ان لا یجدوا بمکة مظلوماً من اهلها اومن غیرهم من سائر الناس الاقاموا معه وکانو علی من ظلمه حتی ترد علیه مظلمته۔(۳۰)

ترجمہ : انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ شہر مکہ میں کسی پر بھی ظلم ہو،خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا اجنبی،وہ سب (شرکائے معاہدہ) مظلوم کی حمایت ومدافعت میں ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے،حتیٰ کہ مظلوم کو اس کا حق واپس مل جائے۔

اس معاہدہ کی درج ذیل دفعات کتب سیر میں ملتی ہیں:

الف : مکہ سے بدامنی دور کی جائے گی۔

ب : مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

ج : مظلوموں کی امداد کی جائے گی،خواہ وہ مکے کے باشدے ہوں یا اجنبی۔

د : زبردست کو زیردست پر ظلم وزیادتی سے روکا جائے گا۔(۳۱)

ابن حبیب بغدادی نے اس معاہدہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس تاریخی معاہدہ کے طے پاجانے کے بعد یہ عالم تھا کہ مکے میں اگر کسی شخص پر کوئی ظلم وتعدی کا ارتکاب کرتا تو لوگ فوراً اس کی مدد کے لئے کھڑے ہوجاتے۔(۳۲)

گویا اس معاہدہ کے ذریعہ سرزمین عرب میں اس وقت دادرسی،مساوات اور اتحاد اور وحدت انسانی کا خاکہ پیش کیا جب دنیا خصوصاً اہل عرب کا دامن تمام طرح کی زیادتیوں میں لت پت تھا نیز وہ قوم،بھائی چارگی اور وحدت انسانی کے اسلوب وآداب سے پوری طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر ناواقف تھی۔علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معروف تصنیف سیرۃ النبی میں اہل عرب کی عدم اجتماعیت اور انتشار وخلفشار کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

یوں تو تمام جزیرۂ عرب ایک ملک اور متحدہ قوم تھا،تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوئے،جس طرح گھر کا الگ الگ خدا تھا،اس طرح قبیلے قبیلے کے جدا رئیس تھے،جنوبی عرب میں حمیری کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں،شمالی عرب میں بکر،تغلب،ازدفضاعہ،کندہ،لخم، جذام،بنوحنیفہ،طے،اسد،ہوازن،غطفان،اوس،ثقیف اور قریش کی الگ الگ ٹولیاں تھیں،جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں،بکر وتغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہوا تھا،کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہوچکے تھے،اوس وخزرج، لڑلڑ کر اپنے سردار کھوچکے تھے،خاص حرم اور اشہر حرم میں بنوقیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا،پہاڑوں اور صحراؤں میں خودمختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے،ملک غارت گیری،سنامی،خون ریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا،اور تجارتی قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ گزرنا محال تھا،حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے،تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بہ مشکل پہنچ سکتا تھا،شہورج عملاً عرب کے

مقدس مہینے تھے، بایں ہمہ قتل وغارت گری اور خون ریزی کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیتے تھے۔ کتاب الامالی میں لکھا ہے، وذالك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لاتمكنهم الاغارة فيها. لان معاشهم كان من الاغارة. یہ اس لئے کہ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ تین مہینے مسلسل ان پر غارت گری کے بغیر گزرتے جائیں۔ کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا'' ـــ(۳۳)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اس قوم ونسل کو وحدت انسانی کی لڑی میں پرویا جو ہر اعتبار سے اجڈ اور افتراق وتفریق کی تمام حدیں پھلانگ چکی تھی۔

مسلمانوں کی وحدت :

یہ بات وضاحت وتفصیل کے ساتھ آچکی ہے کہ اسلام میں وحدت انسانی کا نظام وتصور انتہائی مستحکم ومضبوط ہے، نیز اس دائرہ میں اسلام نے مسلمانوں کی وحدت، یگانگت اور مساوات اسلامی کا بھی جامع تصور پیش کیا ہے، تاکہ انسانیت کا احترام اور اس کی عظمت وافتخار برقرار رہے، تاہم قرآن میں مذکور ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۱۰ ـــ(سورۃ الحجرات)

ترجمہ : مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو ،تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

دوسری جگہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ـ(سورہ اٰل عمران:۱۰۳)

ترجمہ : اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ (تم سب) باہم متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جبکہ تم دشمن تھے، پس اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

اس سورہ کی اگلی آیت میں مذکور ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۱۰۴ ـ(سورہ اٰل عمران)

ترجمہ : اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا ضروری ہے جو کہ خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِؕ ـ

(سورہ آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ : تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

مذکورہ آیات قرآنی کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی اس مضمون کی بے شمار روایات موجود ہیں ان میں سے چند احادیث کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے، باہم مومنین و مسلمین میں جو رشتہ قائم ہے وہ ایمان کی بنیاد پر ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جو رشتہ ایمان و یقین کی بدولت قائم ہوتا ہے وہ بے حد ٹھوس اور پائیدار ہوتا ہے، بایں ہمہ نسب کی بدولت قائم ہونے والا رشتہ بھی اس قدر مضبوط نہیں ہوتا ہے، اس وجہ سے حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ـ(۳۴)

ترجمہ : بہتر مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لايظلمه ولايسلمه ومن كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة بها من كرب يوم القيامة ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة ـ(۳۵)

ترجمہ : مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے، جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ستر پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه ـ(۳۶)

ترجمہ : ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔

اس طرح آپ ﷺ نے تمام مومنین کو باہم ایک جسم کے مانند قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكىٰ عضواً تداعى له سائر جسده بالسهر والحمىٰ ـ(۳۷)

ترجمہ : تو مومنوں کو باہمی رحم دلی آپس کی دلی محبت اور باہمی ہمدردی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا کہ جب ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ تمام آیات واحادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ السلام ایک معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں کسی بھی طرح کی تفریق اور بھید بھاؤ نہ پایا جائے۔خصوصاً مذہب ،رنگ،نسل اور زبان وتہذیب پر کیا جانے والا امتیاز کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے۔ساتھ ہی ساتھ اسلام یہ درس دیتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور معاملات انتہائی شفاف اور یکجائیت ومرکزیت کے تمام بنیادی تقاضوں سے مزین ہوں۔مسلم کمیونٹی کے مابین بھی کسی طرح کا،امتیاز نہ پایا جائے اور ہمارے معاشرہ سے ہر طرح کا بے جا سلوک ناپید ا ہو جائے تو یقینا معاشرہ صالح خطوط پر استوار ہوگا۔

اتحاد مسلم اور مواخاۃ :

مسلم معاشرہ کو رشتہ ایمان پر متحد کرنے کی مواخاۃ وہ واحد مثال ہے جو کسی بھی دھرم اور تہذیب میں نہیں ملتی ہے، حضرت محمد ﷺ نے ہجرت کرنے کے بعد انصار ومہاجرین میں جو بھائی چارگی،قائم کی وہ سیرت رسولؐ کا زرین باب ہے، اور صحابہ کرامؓ کے تابناک کردار کا بھی اعلیٰ نمونہ ہے،قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ —(سورہ انفال:۷۴)

ترجمہ : اور جو لوگ (اول) مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی،اور اللہ کی راہ میں جہاد (بھی) کرتے رہے،اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا،اور (ان کی) مدد کی،یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں۔ان کے لئے (آخرت میں بڑی) معزز روزی ہے۔

انصار ومہاجرین کی باہم اخوت ومحبت کے متعلق شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبی میں رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ نے انصار کو طلب فرمایا،حضرت انس بن مالک جو اس وقت دو سالہ تھے،ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے،مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔آنحضرت ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔یہ تمہارے بھائی ہیں،پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو،اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے،انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا،اور آدھا ہمارا، سعد بن الربیع نے جو عبدالرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے،ان کی دو بیویاں تھیں۔عبدالرحمن سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں۔آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا''—(۳۸)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ:

''انہوں نے رسولؐ سے درخواست کی یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کردیئے جائیں، مہاجرین تجارت پیشہ تھے اوراس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل نا آشنا تھے،اس بناء پرآنحضرتؐ نے ان کی طرف سے انکار کیا،انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے، جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا''۔۔(۳۹)

کمزورطبقات کی خدمات :

اسلام کی تعلیمات میں جہاں وحدت انسانیت اوراتحادمسلم کی ہدایات وارشادات ملتے ہیں،وہیں اسلامی معاشرت میں سماج کے دیگر طبقات کے ساتھ بھی کسی طرح کا ظلم اورزیادتی ،ناانصافی ،نہیں کی جاتی ہے،بلکہ اسلام،معاشرہ کے دبے کچلے افراد کے ساتھ مساوات کو اختیار کرنے ان کے دکھ درد میں کام آنے کی پرزوروکالت کرتا ہے،گویااسلام کی تعلیمات کانفاذ ذات،برادری،کمزور وضعیف اوررنگ ونسل جیسے مکروہ امتیازات کوبالائے طاق رکھ کر سماج کے تمام افراد پریکساں ہوتا ہے،اسلام کے آنے سے قبل دنیا خصوصاً جزیرۂ عرب نے کمزورطبقات کے ساتھ جوسلوک کیا،وہ انسانیت کوشرمسار کرنے لئے کافی ہے۔سیدامیرعلی نے اس وقت کی غلامی اورکمزورافراد کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کو اپنی کتاب The Spirit of Islam میں لکھا ہے جن لوگوں میں نبی کریمؐ مبعوث ہوئے،اس زمانہ میں غلامی کارواج عام تھا۔۔(۴۰)

اسلام نے تمام طرح کی برائیوں کاانسدادکیااورغلاموں کے ساتھ ہونے کانہ صرف والی زیادتیوں قلع قمع کیابلکہ ان کو باضابطہ آزادہونے کااحساس دلایا،اس کوقرآن میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝۳۶ ۔(سورہ نساء)

ترجمہ : اورتم اللہ کی عبادت اختیار کرواوراس کے ساتھ کسی چیزکوشریک مت کرواوروالدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو،اوراہل قرابت کے ساتھ بھی اوریتیموں کے ساتھ بھی اورغریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اوردوروالے پڑوسی کے ساتھ بھی اورہم مجلس کے ساتھ بھی اورراہ گیر کے ساتھ بھی اوران کے ساتھ بھی جوتمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔

آیت کے ذیل میں مفتی محمدشفیع نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں انتہائی عمدہ اورمحققانہ گفتگو کی ہے:

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ جس سے مرادمملوک غلام اورباندیاں ہیں،ان کا بھی یہ حق لازم کردیا گیاہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کامعاملہ کریں،استطاعت کے مطابق کھلانے پلانے، پہنانے میں کوتاہی نہ کریں اورنہ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بارڈالیں۔

''اشتراک علت اور نبی کریمؐ کے ارشادات کی بناء پر یہ احکام نوکروں اور ملازموں پر بھی حاوی ہیں، کہ ان کا بھی یہی حق ہے کہ مقررہ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دینے میں بخل اور دیر نہ کریں اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام نہ ڈالیں''۔۔۔(۴۱)

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانیت کے جس مقام پر تم اور تمہارے والدین اور اقارب کھڑے ہیں، لونڈی اور غلام بھی بالکل تمہارے ہم پلہ اس صف اور مقام پر کھڑے ہیں، ان کی اور تمہاری انسانیت میں خالق انسانیت نے کوئی فرق وامتیاز پیدا نہیں کیا ہے، تم انہیں کسی بھی طرح ادنیٰ انسان تصور نہیں کر سکتے، ایک جگہ حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایقولن احدکم عبدی وامتی ،ولایقولن المملوك ربی وربتی،ولیعقل المالك فتای وفتاوتی،ولیقل المملوك سیدی وسیدتی ،فانکم المملو کون والرب اللہ تعالیٰ۔(۴۲)

ترجمہ : تم میں سے کوئی شخص (اپنے لونڈی غلام کو) اے میرے غلام، اے میری لونڈی کہہ کر ہرگز، نہ بلائے اور نہ ہی کوئی مملوک اپنے مالک کو اے میرے رب یا اے میری ربہ کہہ کر نہ پکارے بلکہ مالک کہا کرے، اے میرے جوان یا اے میری جوان خاتون، اور مملوک کہے کہ اے میرے سردار! اے میری سردارانی! کیونکہ تم سب مملوک ہو اور تمہارا رب (پروردگار) اللہ تعالیٰ ہے''۔

اس حدیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کی عزت نفس اور ان کے وقار کا کس قدر خیال رکھا، حتی کہ آقا اور غلام کا فرق مٹا کر تم سب کو خالق ومالک کی خدمت میں دونوں کو ایک ہی مقام پر لا کھڑا کیا، اور غلاموں کو مالک کے برابر انسان ہونے کا احساس دلایا، ذخیرہ احادیث میں اس طرح کا ایک اور واقعہ مذکور ہے۔

چنانچہ ''سوید کے بیٹے معاویہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے ایک غلام کے چہرے پر تھپڑ مار دیا پھر اپنے والد کی ڈانٹ ڈپٹ کے خوف سے بھاگ گیا اور اپنے والد کے سامنے نہ آیا، جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے موقع غنیمت جانا اور میرے والد ظہر کی نماز پڑھانے لگے تو میں بھی جماعت میں شامل ہوگیا جب نماز ختم ہوئی تو آپ نے اس غلام کو اور مجھے بھی بلا لیا پھر غلام سے فرمایا کہ اس سے بدلہ لو، لیکن غلام نے مجھے معاف کر دیا''۔۔۔(۴۳)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسولؐ نے ارشاد فرمایا:

ارقاء کم ارقاء کم،اطعموھم مماتاکلون،واکسوھم مماتلبسون فان جاءوا بذنب لاتریدون ان تغفروہ،فبیعوا عباداللہ ولاتعذبوھم۔(۴۴)

ترجمہ : تمہارے غلام، تمہارے غلام! انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، انہیں وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اور اگر وہ کوئی ایسا قصور کر بیٹھیں جسے تم ناقابل معافی سمجھو تو تم انہیں بیچ ڈالو لیکن انہیں سزا ہرگز نہ دو۔

اس دور میں غلامی کی چند صورتیں تھیں۔ کچھ غلام اور لونڈیاں وہ تھیں جو نسل در نسل بطور میراث منتقل ہوتے چلے آرہے تھے بعض وہ جو تحفتاً کسی کو دیئے جاتے تھے، بعض وہ جو قیمتاً خریدے جاتے تھے، ان میں ایک قسم اور تھی اور وہ یہ کہ کسی آزاد انسان

کو جبراً پکڑ کر کسی بچے کو اغوا کر کے لونڈی یا غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے، حضرت محمد ﷺ نے اس آخری طریقہ پر فوراً پابندی عائد کردی، اور ارشاد فرمایا:

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:قال اللہ:ثلاثۃ اناخصمھم یوم القیامۃ،رجل اعطی بی ثمّ غدر،ورجل باع حراً فاکل ثمنہ،ورجل استاجر اجیراً فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ۔(۴۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"اللہ فرماتا ہے، تین اشخاص وہ ہیں جن سے قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے ساتھ کوئی عہد کیا پھر توڑ دیا اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد شخص کو پکڑ کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھا گیا، اور ایک وہ جس نے کوئی مزدور مزدوری پر لگایا اس کا کام پورا کیا اور پھر اس کی اجرت ادا نہ کی۔

مذکورہ تمام شواہد و دلائل کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کا رتبہ بڑھایا، اور انہیں معاشرتی ومعاشی سطح پر بھی، مالکوں کے برابر لا کھڑا کیا، آقا اور غلام کے فرق و امتیاز کو یکسر نابود کر دیا، اسی پر بس نہیں بلکہ غلامی کا سلسلہ جڑ سے ختم کر دیا، سماج کے کمزور ترین افراد کے معیار کو شرفِ انسانیت کے بلند مقام پر پہنچانے کا کارنامہ انجام دیا۔

قیدیوں کی خدمات :

کمزور طبقات میں دوسرا نام قیدیوں کا آتا ہے، قیدیوں کے سلسلہ میں جو تعلیمات اسلام نے دی ہیں وہ تمام دنیا کے لئے قابل عمل اور لائق تقلید ہیں، اسلام نے ہر قسم کے ظلم کرنے سے منع کیا، جبکہ بعض بادشاہوں نے قیدیوں کے ساتھ انسانیت سوز مظالم کئے۔

سطور ذیل میں اب قیدیوں کے متعلق احکام پیش کئے جائیں گے، فقہاء نے قیدی کی تعریف یوں بیان کی ہے:

کل من یوخذ فی الحرب مع الکفار اوفی نہایتہا فی القتال اوغیرالقتال مثل ان تلقیہ السفینۃ الینا اویضل الطریق اویوخذ بحیلۃ۔(۴۶)

"جنگی قیدی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کفار کے ساتھ جنگ کے وقت یا اس کے اختتام پر پکڑا جائے، چاہے لڑائی کے دوران یا بغیر لڑائی کے مثلاً اگر کشتی سے وہ ہماری طرف گر جائے یا راستہ بھول جائے یا اس کو حیلہ سے گرفتار کیا جائے"۔

جب کوئی غیر مسلم قیدی بن کر آئے تو اس کا سب سے اہم مسئلہ لباس وخوراک ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ –(سورۃ الدھر)

ترجمہ : اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑیاں لگا کر روزانہ باہر نکالا جاتا تھا، اور وہ سڑکوں پر یا محلوں میں بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے، بعد میں اسلامی حکومت نے یہ طریقہ بند کیا، اس آیت میں قیدی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو، خواہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو، یا کسی جرم میں قید کیا گیا ہو، خواہ اسے قید کی حالت میں کھانا دیا جاتا ہو یا بھیک منگوائی جاتی ہو، ہر حالت میں ایک بے بس آدمی کو جو اپنی روزی کے لئے خود کوئی کوشش نہ کرسکتا ہو کھانا کھلانا ایک بڑی نیکی کا کام ہے''۔۔۔(۴۷)

جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق کتب سیرت میں مذکور ہے:

''عمیر بن ہشام فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے دوران، میں بھی دیگر کفار کے ساتھ گرفتار ہوگیا تھا، میں انصار کی جماعت کے پاس تھا، ان کے لئے جب دوپہر یا شام کا کھانا لایا جاتا تھا، تو وہ روٹی مجھے دیتے اور خود کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا گرتا تو وہ مجھے دیتے میں شرما کر واپس کرتا لیکن وہ اس کو ہاتھ لگائے بغیر مجھے دیتے تھے، کیونکہ نبی کریمؐ نے ان کو اس کی ہدایت کی تھی''۔۔۔(۴۸)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں کفار کے ساتھ حضرت عباسؓ جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے، اس جنگ میں گرفتار ہو گئے تھے، ان کے بدن پر لباس نہ تھا تو آنحضرتؐ نے ان کے لئے لباس کا حکم دیا، چنانچہ عبداللہ بن ابی کی قمیص ان پر پوری آئی اور وہی ان کو پہنائی گئی، اس طرح جب حاتم طائی کی بیٹی مسلمانوں کی قید میں آئی تو رسول ﷺ نے خود اسے کھلایا، پلایا اور کپڑے پہنائے اور آزاد کرکے اس کی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ اس کو واپس بھیج دیا۔۔۔(۴۹)

مذکورہ شواہد کے تناظر میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے قیدیوں کے ساتھ مثبت اور انسانیت والا معاملہ کیا، ان کو طعام ولباس کے علاوہ بھی دیگر بنیادی سہولیات سے نوازا گیا۔

یتیموں کی خدمات :

سماج میں یتیموں کو کمزور تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اسلام نے ان کے ساتھ بھی حق وانصاف اور برابری کا معاملہ کیا ہے، ان کو لباس وخوراک عنایت کرنا، ان کے مال ودولت کو محفوظ رکھنا لازمی ہے، یتیموں کے متعلق قرآن وحدیث میں بے شمار شواہد موجود ہیں:

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَٰٓضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ (سورۃ الفجر)

ترجمہ : ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم (میں اور اعمال بھی موجب عذاب ہیں چنانچہ تم) یتیم کی کچھ قدر (اور خاطر) نہیں

کرتے اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور (تم) میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ —(سورۃ الضحی)

ترجمہ : تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے، اور سائل کو مت جھڑکئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝ —(سورۃ النساء)

ترجمہ : اور جن بچوں کا باپ مرجاوے ان کے مال انہیں کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو، اور ان کے مال مت کھاؤ، اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ۔

مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن میں لکھتے ہیں:

''یتیموں کے سرپرست جن کے سینے خوف خدا سے خالی ہوتے ہیں اول تو یتیموں کا سارا حق ہی دبا بیٹھتے ہیں اور گر دبا..... نہیں بیٹھتے تو اس میں تو خرد برد..... کرنے کی نیت سے، انتظامی سہولت کی نمائش کر کے ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں اور اس طرح اپنے لئے ہاتھ رنگنے کے نہایت آسان مواقع پیدا کر لیتے ہیں، ان کو ہدایت فرمائی گئی کہ یتیموں کا مال یتیموں کو دو، خود ہضم کرنے کی کوشش نہ کرو، پھر اس مقصد کے لئے جو ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں ان سے واضح لفظوں میں بھی روک دیا کہ اپنا ناقص مال ان کے اچھے مال سے بدلنے کی تدبیریں نہ کرو اور نہ ان کا مال اپنے ساتھ ملا کر اس کو خرد برد کرنے کی کوشش کرو''—(۵۰)

قرآن میں مذکور ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ —(سورہ النساء:۵۔۶)

ترجمہ : اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے اور ان لوگوں میں سے ان کو کھلاتے رہو پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو، اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جاویں۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''سفہاء سے مراد وہی یتامی ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جو تمہیں دیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال ان کو دو تو اس کے معنی یہ

نہیں ہیں کہ اگر وہ بالکل نادان وناسمجھ ہوں جب بھی جو کچھ ان کا ہے ان کے حوالہ کردو، اگر یتیم ابھی نادان اور ناسمجھ ہے تو سرپرست کا فرض ہے کہ وہ اس کا مال اپنی حفاظت ونگرانی میں رکھے البتہ اس کو کھلائے پہنائے اور اس کی دلداری کرتا رہے تاکہ اس کو اطمینان رہے کہ یہ نگرانی اس کے فائدے کے لئے ہے''۔۔۔(۵۱)

مولانا مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

''یتیموں کو مال حوالہ کرنے کی دو شرطیں قرآن نے بیان کی ہیں، ایک بلوغ، اور دوسرے رشد، یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت، پہلی شرط کے متعلق تو فقہائے امت میں اتفاق ہے، دوسری شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رشد نہ پایا جائے تو ولی یتیم کو زیادہ سے زیادہ سات سال اور انتظار کرنا چاہئے، خواہ پھر رشد پایا جائے یا نہ پایا جائے، اس کا مال اس کے حوالہ کردینا چاہئے، اور امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مال حوالہ کئے جانے کے وقت بہرحال رشد کا پایا جانا ناگزیر ہے''۔۔۔(۵۲)

قرآن میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾ ۔

(سورہ نساء)

ترجمہ : بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں وہ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں، اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی درج بالا آیت کا شان نزول یہ بتاتے ہیں:

''حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعید بن ربیع کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ سعید کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچا نے پوری جائداد پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کے لئے ایک حصہ تک نہیں چھوڑا ہے۔ اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی''۔۔۔(۵۳)

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے یتیموں کے مال کی حفاظت وصیانت کے لئے کس قدر مبنی بر ہدایت تعلیم دی ہے، اب یہ پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے سماج کے تمام طبقات کی اکائیوں کو وحدت ومساوات کا جامع اور مانع تصور وخاکہ پیش کیا ہے اور نوع انسانیت کو اس پر کاربند رہنے کی تاکید بھی کی ہے، اس وجہ سے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''مسلمانوں میں سب سے بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کیساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو''۔۔۔(۵۴)

معذوروں کی خدمات :

اسلامی سماج ومعاشرہ نے جہاں سماج کے دیگر کمزور طبقات کی بھرپور رعایت کی ہے وہیں معذوروں اور بیماروں کا بھی خاصا خیال رکھا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ — (سورۃ الفتح)

ترجمہ : نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ ورسولؐ کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ — (سورہ توبہ)

ترجمہ : کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں، جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں (ان) نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن میں رقم طراز ہیں:

''جو جہاد کے لئے بے قرار ہیں لیکن اپنی ناداری کے سبب کسی سواری کا بندوبست خود کر سکنے پر قادر نہیں ہیں اور جب تمہارے پاس کسی سواری کے لئے درخواست لے کر آتے ہیں تو تم بھی معذرت کا انتظام نہیں کر سکتے وہ حقیقی معذرت میں ہیں۔ یہ جہاد میں شامل نہ ہوسکیں تو ان کو کوئی گناہ نہیں''۔۔۔(۵۵)

یہاں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی سماج ومعاشرہ میں معذوروں اور بیماروں کو سماج سے الگ گروہ تصور نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ سماج ہی کا ایک بنیادی رکن ہیں، البتہ عذر شرعی اور دیگر مجبوریوں جیسے ناداری، مفلسی کے باعث ان کو اسلام نے قدرے رعایت دی ہے، اور یہ فطرت کا بھی تقاضا ہے کہ معاشرہ کے کمزور طبقات کو وحدت انسانی اور مساوات میں شامل کرتے ہوئے ان کے ساتھ نرمی اور رعایت کا معاملہ برتا جائے۔

اسلام میں شادی کے لئے قومیت کا تصور :

اب یہ وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ اسلام کے معاشرتی وسماجی نظام میں شادی ونکاح کا کیا تصور ہے، اس بابت

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام میں کفو کا کیا مقصد ومفہوم ہے، آیا کفو کی شادی قومیت اور برادری نظام کی حمایت کرتی ہے یا نہیں؟ ذیل میں راقم مسئلہ کفو کی شرعی حیثیت پر خامہ فرسائی کرے گا۔

اس مسئلہ کو واضح کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے شریعت میں کفو کسے کہا جاتا ہے اس کو واضح کر دیا جائے۔

کفو کا لغوی واصطلاحی مفہوم :

علامہ ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

الكفء النظير والمساوى ومنه الكفاة فى النكاح وهوان يكون الزوج مساويا للمرأة فى حسبها ودينها ونسبها وبيتها غيرذالك ــ(۵۶)

ترجمہ : کفو کا مطلب نظیر اور برابری ہے، اسی سے نکاح میں کفائت مراد ہے، وہ یہ ہے کہ خاوند کا حسب، دین، نسب اور گھر وغیرہ میں عورت کے برابر ہونا۔

کفو کا اصطلاحی معنی :

کفو کا اصطلاحی معنی ہے صفات مخصوصہ ممتازہ میں مساوی اور نظیر ہونا، نکاح میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکا، لڑکی کے معیار سے کم اور نیچا تو نہیں ہے کیونکہ جو لڑکی صفات مخصوصہ ممتاز کے اعتبار سے اعلیٰ ہو وہ اس لڑکے کا فراش بننے کو ناپسند کرے گی، جو اس سے صفات میں ادنیٰ ہو تو لڑکی کے وارث بھی اس بات کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے ہیں۔

کفو میں عموماً چھ چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے:

(۱) اسلام
(۲) حریت یعنی آزاد ہو غلام نہ ہو
(۳) نسب
(۴) مال ودولت
(۵) تقویٰ اور دینداری
(۶) صنعت وحرفت یعنی پیشہ ــــ(۵۷)

کفو کی حقیقت :

کفو کی حقیقت اتنی ہے کہ لڑکے لڑکی میں ہر ممکن حد تک مناسبت کا لحاظ کیا جائے، بے جوڑ اور غیر مناسب رشتوں سے بچا جائے تاکہ دونوں میں ہم آہنگی مطابقت وموافقت ہو، الفت ہو، کالے گورے، سید غیر سید، ذات پات کا نظام اسلام میں نہیں ہے،

جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الناس كاسنان المشط —(۵۸)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

وتاويل الحديث الندب الى التواضع وترك طلب الكفة لاالالزام وبه نقول ان عندالرضايجوز العقد—(۵۹)

ترجمہ : تواضع اور انکسار کرنا اور کفو کی طلب کو ترک کرنا مستحب ہے اور کفو کا اعتبار کرنا لازم نہیں ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رضا کے وقت (غیر کفو) میں نکاح کرنا جائز ہے۔

اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفو کو طلب کرنا لازم نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ تواضع اور انکسار کو اختیار کر کے غیر کفو میں نکاح کیا جائے۔

غیر کفو میں نکاح کی شرعی حیثیت :

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا حرام ہے اور یہ نکاح زنا کے مترادف ہے، خواہ ان کے ورثاء اولیاء کی اجازت ہی سے کیوں نہ ہو، لیکن ان بزرگوں نے قرآن مجید کے حکم پر غور نہیں فرمایا کہ قرآن مجید نے ان تمام عورتوں کا ذکر فرمایا کہ جو نسب، رضاعت، صہر، جمع فی النکاح اور منکوح غیر ہونے کے اعتبار سے حرام ہیں اس کے بعد فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط —(النساء:۲۴)

ترجمہ : اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں تا کہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلب نکاح کرو پاکدامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ ''ما'' عموم کا استعمال فرما کر بتادیا کہ مذکورہ حرام کردہ عورتوں کے علاوہ سب حلال ہیں اس میں کفو اور غیر کفو کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ — (النساء:۳)

ترجمہ : ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لئے پسندیدہ اور حلال ہوں۔

مندرجہ بالا آیت میں بھی لفظ ''ما'' جو کہ عموم کے لئے ہے یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں خواہ وہ کفو سے ہوں یا غیر کفو سے ہوں باہمی رضامندی سے نکاح کرلو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ —(الحجرات)

ترجمہ : اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔

محدثین ومفسرین نے اس آیت مبارکہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بنى بياضة ان يزوجوا ابا هندامراة منهم فقالوا يارسول الله صلى الله عليه وسلم ! نزوج بناتنا موالينا؟فانزل الله عزوجل (إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى .....(٦٠)

ترجمہ : رسول اکرم ﷺ نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابوالہند کے ساتھ اپنی ایک عورت کی شادی کر دیں، انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی بیٹیوں کا نکاح غلاموں سے کر دیں؟ اس موقع پر یہ ایک آیت نازل ہوئی اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى...

ابوالہند حضور اکرم ﷺ والا غلام تھا، حضور اکرم ﷺ نے ایک آزاد عورت کا نکاح ایک غلام سے کر کے نسب وحسب اور صنعت وحرفت کے سارے بت توڑ دیئے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ — (البقرہ:۲۲۱)

ترجمہ : اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بے شک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً بتا دیا کہ مسلمان آزاد لڑکیوں کا نکاح غلام مسلمانوں سے کرنا جائز ہے، حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہوتا۔

عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال تُنكح المرأة لاربعٍ لمالهاولحسبها ولجمالها ولدِينها فاظفر بذات الدِّين تربَتْ يداكَ —(٦١)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کے باعث نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال، اس کے حسب ونسب، اس کے حسن وجمال اور اس کے دین کی وجہ سے تیرے ہاتھ گرد آلود ہوں، تو دیندار کو حاصل کر۔

ما استفاد المؤمن بعد تقوی الله خیراً له من زوجةٍ صالحةٍ ان امرها اطاعته وان نظر الیها سرّته وان اقسم علیها ابرّته وان غاب عنها نصحته فی نفسها وماله۔(۶۲)

ترجمہ : مومن اللہ کے تقویٰ کے بعد جو اپنے لئے بہتر تلاش کرے وہ نیک بیوی ہے کہ اگر اسے حکم دے تو اطاعت کرے، اس کی جانب دیکھے تو خوش ہو، اگر وہ کسی بات کے کرنے پر قسم کھالے تو اسے پوری کردے، اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اس کی غیر موجودگی میں اپنی جان و مال کی نگہبانی کرے۔

اذا جاء کم من ترضون امانته وخلقه فانکحوه کائنا من کان فان لا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر ،اوقال:عریض ۔(۶۳)

ترجمہ : جب تمہارے پاس ایسے شخص کے نکاح کا پیغام آئے جس کی دینداری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کردو خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بہت زیادہ فساد اور فتنہ پھیلے گا۔

اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخُلقه فزوّجوه ان لا تفعلوا تکن فتنةٌ فی الارض وفسادٌ عریض۔(۶۴)

ترجمہ : جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ بپا ہوگا۔

عن الحکم بن عتیبة ان النبی صلی الله علیه وسلم ارسل بلالا الی اهل بیت من الانصار یخطب الیهم فقالوا عبد حبشی فقال بلال لولا ان النبی صلی الله علیه وسلم امرنی ان اٰتیکم ما اتیتکم فقالوا النبی صلی الله علیه وسلم امرك قال نعم قالوا قد ملکت فجاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فاخبره فادخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم قطعة من ذهب اعطاه ایاها ایها فقال سق هذا الی امراتك وقال لاصحابه اجمعوا لا اخیکم فی ولیمته ۔(۶۵)

ترجمہ : حکم بن عتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے گھر بھیجا تاکہ وہ اپنے رشتہ کا پیغام دیں۔ اس انصاری کے گھر والوں نے کہا کہ حبشی غلام، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر حضور ﷺ نے مجھے تمہارے پاس آنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی نہ آتا، انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا تم اس رشتہ کے مالک ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر حضور اکرم ﷺ کو خبر دی اس وقت نبی ﷺ کے پاس سونے کا ٹکڑا آیا۔ آپ نے وہ حضرت بلال کو عطا کیا کہ یہ اپنی بیوی کے پاس لے جانا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دوستوں سے فرمایا تم اپنے بھائی کے ولیمے کی تیاری کرو۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ایک آزاد عورت کا نکاح ایک حبشی غلام کے ساتھ کرکے ہر قسم کے تفاوت کو ختم کردیا اور بتادیا کہ اصل چیز مسلمان ہونا ہے، باقی چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

عام علماء نے فرمایا لزوم نکاح کے لئے کفو شرط ہے کہ اس کے بغیر نکاح لازم نہیں ہوتا، امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کفو لزوم نکاح کے لئے شرط نہیں۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوّجوہ ان تفعلوا تکن فِتنۃٌ فی الارض وفسادٌ عریضٌ ۔(۶۶)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ بپا ہوگا۔

نیز کفو کا اعتبار ضروری ہوتا تو خون میں ہوتا ادنیٰ مقتول کے قصاص میں اعلیٰ ذات کا قاتل قتل نہ کیا جاتا تو جب خون میں کفو کا اعتبار نہیں تو نکاح میں کیوں؟ احناف اور دیگر جن ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے انہوں نے بھی کبھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا، بلکہ یہ فرمایا کہ بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کر لے اور باپ یا دادا اسے اجازت نہ لے تو ان حضرات کا حق ہے کہ وہ قاضی کے پاس تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر نکاح ہی نہ ہوتا تو اعتراض کس کا؟ اور تنسیخ کس کی؟

باپ یا دادا کی اجازت سے تو غیر کفو میں نکاح ناجائز ہونے کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ قرآن نے جن خواتین سے شرعاً نکاح حرام کیا ہے، ان کو درج ذیل آیت میں بیان کیا ہے:

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآٮِٕكُمۡ وَرَبَآٮِٕبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآٮِٕكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَحَلَاۤٮِٕلُ اَبۡنَآٮِٕكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۞ وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَاُحِلَّ لَـكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰ لِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۞ ۔(النساء)

ترجمہ : تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے

والا مہربان ہے، اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) سوائے ان (جنگی قیدی عورتوں) کے جو تمہاری ملک میں آجائیں، (ان احکام حرمت کو) اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے، اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں تا کہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلب نِکاح کرو پاکدامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے، پھر ان میں سے جن سے تم نے اس (مال) کے عوض فائدہ اٹھایا ہے انہیں ان کا مقرر شدہ مَہر ادا کر دو، اور تم پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے"۔

یہ ہے فہرست ان عورتوں کی جن سے نکاح حرام ہے یہ قرآن کریم کی سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۳/اور نمبر ۲۴/کا ابتدائی حصہ ہے، اس فہرست کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہیں ایک برادری کو دوسری برادری پر حرام ہونا ثابت ہے؟ نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ فقہ میں کہیں بھی منع نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ ہاشمی، قریشی، علوی، اموی، پٹھان وغیرہ قومیں ہیں اور قوم وقبیلہ اللہ تعالیٰ نے محض تعارف یعنی باہمی جان پہچان کے لئے بنائے ہیں۔ عزت وعظمت کا دارومدار تقوی پر ہے، عقیدہ وعمل پر ہے، قوم وقبیلہ پر نہیں۔ قریش ہاشمی مکی عربی اور ابو جہل وابولہب اور ان جیسوں سے ہزار ہا درجہ افضل ہیں حبشہ کے بلال، روم کے صہیب ایران کے سلمان اور کروڑوں ہندی، سندھی، سوڈانی، صومالوی، افغانی وغیرہ۔

ولادت اور اسلامی معاشرہ :

اسلام میں ولادت کے بعد جن امور کو بطور سنت انجام دینے کو کہا گیا ہے ان کا حکم فرض یا واجب کے مترادف نہیں ہے بلکہ یہ مسنون اور مستحب کے درجہ میں ہے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہو تو اسے میٹھی چیز کی گھٹی یا اس کے مماثل کوئی اور چیز دینا مسنون ہے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے مروی ہے:

ولدلی غلام فاتیت به النبیؐ صلی الله علیه وسلم فسماه ابراهیم وحنکه بتمرة۔ (٦٧)

ترجمہ : میرے یہاں بچہ پیدا ہوا، میں اس کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا، آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کی تحنیک کھجور سے کی۔

ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

ودعاله بالبرکة ودفعه الی وکان اکبر ولدابی موسیٰ۔(٦٨)

ترجمہ : اور آپ ﷺ نے بچہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور مجھے واپس کر دیا، راوی کا بیان ہے کہ یہ ابوموسیٰ اشعری کا سب سے پہلا بچہ تھا۔

اس طرح کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے:

''حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہ کے بچے کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد مجھ سے ابوطلحہؓ نے کہا کہ اس بچے کو نبی کریمؐ کے پاس لے جاؤ اور ساتھ میں کچھ کھجوریں بھی دے دیں، نبی کریمؐ نے اس بچہ کو اپنی گود میں لیا اور دریافت کیا، کیا اس کے ساتھ کوئی چیز بھی لائے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ کچھ کھجوریں ہیں۔ آپؐ نے کھجور کو چبایا اور اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیا، اور عبداللہ نام تجویز فرمایا۔''—(۶۹)

مذکورہ دونوں روایات سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد اسے میٹھی چیز سے تحنیک کرانی چاہئے، اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدائش کے فوراً بعد بچہ کو گھر سے باہر نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہمارے معاشرہ میں بعض افراد چالیس دن سے قبل بچہ کو گھر سے باہر نکالنے کو پسند نہیں کرتے ہیں، اگر کوئی ممانعت ہوتی تو نہ صحابہ کرامؓ باہر لے جاتے، اور نہ خود نبی کریمؐ اس کی اجازت دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پیدائش کے بعد بچے کے کان میں اذان واقامت کہی جائے، اس سلسلہ میں حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا:

اَذَّنَ فی اُذُنِ الحسن بن علی حین ولدته فاطمة—(۷۰)

ترجمہ : جب سیدہ فاطمہؓ کے یہاں حسنؓ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی۔

اقامت کا ثبوت درج ذیل روایت سے ہوتا ہے:

عن الحسن بن علی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ،من ولدله ولد فاذن فی اذنه الیمنیٰ واقام فی اذنه الیسری لم تضره ام الصبیان—(۷۱)

ترجمہ : حسن بن علیؓ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا، اس نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اس کو ام الصبیان ضرر نہیں دیتی۔

ولادت کے بعد بچہ کا نام رکھنا ہر سماج ومعاشرہ کا معمول ہے نیز اس کے ساتھ یہ تصور بھی عام ہے کہ بچہ کا نام ایسا رکھا جائے جو اچھا ہو اور اس کے تعارف کا ذریعہ بنے، نام رکھنے سے متعلق اسلامی تعلیمات یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

کل غلامٍ رهین بعقیقة تذبح عنه یوم سابعه ویسمیٰ فیه ویحلق راسه—(۷۲)

ترجمہ : ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔

اسی طرح بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیدائش کے دن بھی نام رکھا جاسکتا ہے بلکہ مسنون طریقہ یہی ہے کہ بچہ کا نام پیدائش سے قبل تجویز کرلیا جائے لڑکا ہو تو فلاں اور اگر لڑکی ہو تو فلاں نام رکھا جائے۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام ابراہیم رکھا''۔(۷۳)

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ نام رکھنے کے لئے کوئی تاریخ اور دن متعین نہیں ہے، بلکہ جس دن پیدا ہوا اس دن بھی رکھنے کی اجازت ہے یا پھر تاخیر سے بھی رکھا جاسکتا ہے، البتہ نام رکھنے میں اس بات کا خیال رہے کہ نام پسندیدہ ہو۔

''عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ کی ایک لڑکی کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا، جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا''۔(۷۴)

پتہ یہ چلا کہ ایسا نام ہرگز نہیں رکھنا چاہئے کہ جس میں غیر اللہ کی عبدیت یا خدا کی نافرمانی کے معنی ظاہر ہوتے ہوں۔

بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کی سنت ادا کی جاتی ہے، عقیقہ کے متعلق حدیث میں متعدد روایات موجود ہیں، حضورؐ کا ارشاد ہے:

مع الغلام عقیقة فاهر قوا عنه دماً وامیطوا عنه الاذیٰ۔(۷۵)

ترجمہ: لڑکے کا عقیقہ کرو، اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو۔

دوسری روایت میں مذکور ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

عن الغلام شاتان وعن الانثیٰ واحدة ولا یضر کم ذُکراناً کنّ او اناثاً۔(۷۶)

ترجمہ: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، چاہے وہ نر ہو یا مادہ اس سے کوئی حرج نہیں پڑتا۔

سر مونڈنے کے متعلق بھی اسلام نے حکم دیا ہے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ سر ساتویں دن مونڈوایا جائے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہر بچہ اپنے عقیقے سے بندھا ہوا ہے، ساتویں دن اس کی جانب سے قربانی کی جائے، اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے''۔(۷۷)

اسی طرح کتب حدیث میں مذکور ہے:

''جب نبی کریم ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! ان کا سر مونڈوا دو اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو، چنانچہ سیدہ فاطمہؓ نے بالوں کو تولا تو ان کا وزن لگ بھگ ایک درہم تھا''۔(۷۸)

بالوں کے وزن کی بقدر صدقہ کرنے سے ایک تو نومولود کے لئے خیر و برکت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اس لئے اس عمل کو کرنا بھی ضروری ہے۔

ختنہ کرنا اسلامی شعار ہونے کے ساتھ ساتھ صحت وتندرستی کے لئے بھی ضروری ہے، اس کو بعض فقہاء سنت اور بعض ائمہ سنت مؤکدہ بتاتے ہیں اور بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الفطرة خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط۔(۷۹)

ترجمہ : پانچ کام فطرت (سنت) کا حصہ ہیں، ختنہ کرانا، ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، مونچھیں تراشنا، ناخن کاٹنا اور بغل کے بال صاف کرنا۔

اس سلسلہ میں کتب حدیث میں لکھا ہے کہ ختنہ کرنا سنت ابراہیمی ہے، سب سے پہلے ابراہیمؑ نے اپنا ختنہ کرایا اور ان کے بعد تمام انبیاء کرام نے اس سنت کو اختیار کیا۔(۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ اور ارشاد فرمایا:

ان الاقلف لايترك فى الاسلام حتى يختتن ولوبلغ ثمانين سنة۔(۸۱)

ترجمہ : بے ختنہ آدمی کو اسلام میں برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ وہ ختنہ کرالے چاہے اس کی عمر ۸۰ رسال ہو۔

گزشتہ صفحات میں اسلام کے معاشرتی اور سماجی نظام کی ہلکی سی تصویر پیش کی گئی ہے، گویا اسلام ایک ایسا معاشرتی نظام تشکیل دیتا ہے، جس میں کسی بھی انسان کے ساتھ کسی بھی طرح کا بھید بھاؤ اور اونچ نیچ نہ پائی جائے۔

اسلام معاشرہ کے تمام افراد کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا ہے، اور نوع انسانی کو وحدت ومساوات کی لڑی میں پروتا ہے، جبکہ دیگر مذاہب خصوصاً ہندوازم میں طبقات انسانی کی تقسیم کو اہمیت دی گئی ہے، اور ہر طبقہ کے لئے الگ الگ احکام ملتے ہیں۔

مصادر وحواشی :

(۱) بلیاوی، عبدالحفیظ (مولانا) مصباح اللغات، مقبول اکیڈمی، سرکلر روڈ انارکلی چوک لاہور، ص ۵۵۳

(۲) ابن منظور افریقی، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، مطبع دار صادر بیروت، ج ۴، ص ۵۷۴

(۳) Anwar A Principles Of Sociology,Saif Printing press, Peshawar.P.16

(۴) Cambridge International Dictionary of English.1996.P:137

(۵) Akash deep AH Library Of the world Knowledge ,P450

(۶) Principles of Sociology.P16

(۷) چودھری، غلام رسول، (پروفیسر) اسلام کا عمرانی نظام، علم وفرمان پبلی شرز، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۲۲

(۸) خالد علوی، (ڈاکٹر) اسلام کا معاشرتی نظام، (اسلام اور جدید معاشرتی نظریات) الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی اسٹریٹ لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۳

(۹) ایضاً،ص ۱۹
(۱۰) محولہ بالا اسلام کا عمرانی نظام،ص ۲۳
(۱۱) ایس،ایم شاہد،اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار،ایور نیو بک پبلس،سرکلر روڈ،اردو بازار،لاہور،ص ۵۹۷۔۵۹۸
(۱۲) ایضاً،ص ۵۹۹
(۱۳) ایضاً،ص ۶۰۰
(۱۴) مودودیؒ،ابوالاعلیٰ (سید)،تفہیم القرآن،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشر،۱۹۷۳ء،ج ۵،ص ۹۶۔۹۷
(۱۵) محمد شفیع (مفتی) معارف القرآن،اشرفی بکڈپو،دیوبند،ج ۸،ص ۱۳۴
(۱۶) ایضاً،ص ۱۳۵
شعوب،شعب کی جمع ہے،بہت بڑی جماعت کو شعب کہتے ہیں،جو کسی ایک اصل پر مجتمع ہوں پھر ان میں مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں،پھر خاندانوں میں بڑے خاندان اور اس کے مختلف حصوں کے عربی زبان میں الگ الگ نام ہیں،سب سے بڑا حصہ شعب اور سب چھوٹا حصہ عشیرہ کہلاتا ہے۔ایضاً
(۱۷) اصلاحی،امین احسن،(مولانا) تدبر قرآن،فاران فاؤنڈیشن،لاہور پاکستان،۲۰۰۹ء،۱۴۳۰ھ،ج ۲،ص ۲۴۶۔۲۷۷
(۱۸) سنن ترمذی،کتاب تفسیر القرآن،باب من سورۃ الحجرات
(۱۹) ہیثمی،نورالدین علی بن ابی بکر،مجمع الزوائد،ومنبع الفوائد باب الخطب فی الحج
(۲۰) الصحیح المسلم،کتاب القدر،باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ وحکم موت اطفال الکفار
(۲۱) سنن ابوداؤد،کتاب السنۃ،باب ذراری المشرکین
(۲۲) المشکاۃ المصابیح،کتاب الآداب،باب الشفقۃ.....والرحمۃ علی الخلق،فصل ثالث
(۲۳) احمد بن حنبل،المسند،مکتبہ شاملہ،مسند ابوھریرۃ،ج ۱۷،ص ۴۲۳،حدیث نمبر ۸۳۸۱
(۲۴) ابن کثیر،ابی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،دارطیبہ للنشر والتوزیع ریاض،۱۹۹۹ء،۱۴۳۰ھ ج ۷،ص ۳۸۷
(۲۵) الصحیح المسلم،کتاب البر والصلۃ والآداب،باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ،واحتقارہ ودمہ وعرضہ
(۲۶) تفہیم القرآن،ج ۵،ص ۹۸
(۲۷) ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ،ج ۲۔ص ۱۵
(۲۸) ایضاً
(۲۹) ایضاً
(۳۰) ابن اثیر،عزالدین،الکامل فی التاریخ،دارالکتاب بیروت،العربی،۱۴۰۶ھ،ج ۲،ص ۲۶
(۳۱) سہیلی روض الانف،القاہرہ،مکتبہ الکلیات الازھریہ،ج ۱،ص ۱۵۷
(۳۲) ابن حبیب بغدادی،ص ۳۴۲،نیز دیکھئے سہ ماہی تحقیقات اسلامی،علی گڑھ،ص ۷۳،ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی،حلف الفضول،عصری معنویت
(۳۳) شبلی نعمانی،سیرت النبی،مکتبہ مدینہ لاہور،۲۰۰۶ء،ج ۲،ص ۳۴۹
(۳۴) الصحیح البخاری،کتاب الایمان،باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

(۳۵) ایضاً،کتاب المظالم،باب لایظلم المسلم المسلم ولایسلمہ
(۳۶) الصحیح المسلم،کتاب البر،باب تحریم الظلم
(۳۷) الصحیح المسلم،کتاب الادب،باب رحمۃ الناس
(۳۸) سیرۃ النبیؐ،ج ا،ص ۱۷۱
(۳۹) ایضاً،ص ۱۷۲
(۴۰) Amir Ali Syed,the Sprit of Islam,Pakistan Publishing House Karachi 1984-P262
(۴۱) معارف القرآن،ج ۲،ص ۶۴
(۴۲) الصحیح البخاری،کتاب العتق،باب العبید اخوانکم،فاطعموا امما تاکلون
(۴۳) الصحیح المسلم،کتاب الایمان،باب الممالیک،۴۴
(۴۴) منصور بن یعقوب،انیس النساری فی تخریج الاحادیث التی ذکرھا،الحافظ ابن حجر عقسلانی فی فتح الباری،مؤسسۃ السماعہ للنشر والتوزیع، ۲۰۰۵ء،ج ا،ص ۶۳۵
(۴۵) الصحیح البخاری،کتاب البیوع،باب من باع حراً
(۴۶) ابن تیمیہ،السیاسۃ الشرعیہ،رابعہ دارالکتب،مصر،ص ۱۲۴
(۴۷) تفہیم القرآن،ج ۶،ص ۱۹۷
(۴۸) ابن ہشام،السیرۃ النبویہ،ج ۲،ص ۶۸۶
(۴۹) ابن حجر،عسقلانی،فتح الباری،ج ۶،ص ۱۴۶
(۵۰) تدبر قرآن،ج ۲،ص ۲۵۱
(۵۱) ایضاً،ص ۲۵۴
(۵۲) تفہیم القرآن ج ا،ص ۳۲۳
(۵۳) ایضاً،ص ۲۲۵_۲۲۶
(۵۴) سنن ابن ماجہ،کتاب الادب،باب من یعول یتیماً
(۵۵) تدبر قرآن،ج ۳،ص ۶۲۶
(۵۶) ابن منظور،افریقی،لسان العرب،ج ا،ص ۱۳۹
(۵۷) درالمختار،ج ۲،ص ۴۳۷
(۵۸) الشھاب المسند،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت،ج ا،ص ۱۴۵،حدیث نمبر ۱۹۵
(۵۹) سرخسی،المبسوط،دارالمعرفہ،ج ۵،ص ۲۵
(۶۰) بیہقی،السنن،مکتبہ دارالباز......مکہ المکرمہ،ج ۷،ص ۱۳۶
(۶۱) سنن ابوداوٗد،کتاب النکاح،باب مایومر بہ من تزویج ذات الدین
(۶۲) سنن ابن ماجہ،کتاب النکاح،باب افضل النساء

(۶۳) عبدالرزاق، المصنف المکتب الاسلامی، ج۶،ص ۱۵۲، حدیث نمبر ۱۰۳۵۲
(۶۴) سنن ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء اذا جاءکم من ترضونہ دینہ فزوجوہ
(۶۵) ابوداؤد سلیمان اشعث، کتاب المراسیل لامام ابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی للنشر والتواریخ، ص ۳۰۷، حدیث نمبر ۲۱۴، تخریج عبدالرحمن بن مساعت بن خزران الزاھران
(۶۶) سنن ترمذی، ابوالنکاح، باب ماجاء اذا جاءکم من ترضونہ دینہ فزوجوہ
(۶۷) الصحیح البخاری، کتاب العقیقہ، باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ
(۶۸) ایضاً
(۶۹) ایضاً
(۷۰) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المولود یوذن فی اذنہ
(۷۱) سنن ترمذی، کتاب الاضاحی، باب الاذان فی اذان المولود
(۷۲) سنن ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقہ
(۷۳) الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب تحویل الاسم الی اسم احسن منہ
(۷۴) الصحیح المسلم، کتاب الآداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن
(۷۵) الصحیح البخاری، کتاب العقیقہ، باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ
(۷۶) سنن ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقۃ
(۷۷) ایضاً
(۷۸) سنن ترمذی، کتاب الاضاحی، باب العقیقۃ بشاۃ
(۷۹) الصحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاطفار
(۸۰) ایضاً، کتاب الاستئذان، باب الختان بعد الکبیر ونتف الابط
(۸۱) بیہقی، ج۸،ص ۳۲۴

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ''المجیب''، میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں ـــ (ادارہ)

چوتھی قسط

مرا چون گذر بر عراق اوفتاد
(سفرنامۂ عراق)

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ـــ ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قارئین کرام! ''المجیب'' کے گذشتہ تین شماروں میں شائع اس سفرنامے کی قسطوں میں آپ نے عراق کی اجمالی تاریخ، مختصر جغرافیائی حالات، اس خطے کی صدیوں پر محیط سیاسی نشیب وفراز اور تہذیب وفرہنگ کی داستان، سرخیل اولیاء حضرت سیدنا غوث الثقلین، غوث الاعظم، پیر پیراں، سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبزادوں کے یہاں حاضری، حجۃ الاسلام امام غزالی، شیخ ابوبکر شبلی، ابوالحسین نوری، امام اعظم ابوحنیفہ، ذوالنون مصری، سری السقطی، سید الطائفہ جنید بغدادی، علامہ آلوسی، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، بہلول دانا، ابراہیم الخواص، سیدنا معروف کرخی، امام احمد بن حنبل، طاہر بن امام باقر، حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہم کے یہاں حاضری کے علاوہ حاضری کاظمین اور طاق کسریٰ کے خرابے کی روئیداد اور حقائق واحوال ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اگلی قسط میں آگے کی تفصیلات ہدیۂ قارئین ہیں ـــ (ادارہ)

۱۶؍جولائی ۲۰۱۹ء سہ شنبہ کو ہم لوگوں نے معمول کے مطابق ہوٹل میں ناشتہ کیا۔ کچھ دیر میں بس آ گئی اور ہم لوگ سامرّا کے لیے روانہ ہوئے۔ بغداد سے سامرّا کا فاصلہ تقریباً ایک سو تیس کیلومیٹر ہے اور دو ڈھائی گھنٹہ کی مدت لگتی ہے۔ سامرّا کا اصل نام سرّ من رأی ہے جسے لوگوں نے مخفف کر کے سامرّا کر لیا ہے۔ چنانچہ اللباب میں مذکور ہے کہ:

''سرّ من رای شہری است در عراق۔ شہری است معروف۔ مردم مخففاً سامرّا گفتہ اند۔ آن را معتصم بنا کرد ولی در ھمان آوان ویران گشت۔ در ''العزیزی'' آمدہ است کہ از سرمن رای تا عکبرا دوازدہ فرسخ است وآن بر کنارۂ شرقی دجلہ است۔ جائی است خوش۔ وھموگوید کہ امروز جز اندکی از آن آباد ان نیست وبیش از قریہ ای نباشد۔ ابن سعید گوید معتصم آن را بنا

کرد و واثق شہر ھارونیہ را بہ آن افزود و متوکل جعفریہ را و بدین سبب شہری بزرگ گردید''—(تقویم البلدان، ابوالفداء تصحیح عبدالمحمد آیتی، ص ۳۴۱)

سامرّا سے تقریباً چالیس پینتالیس کیلومیٹر پہلے بلد واقع ہے جہاں حضرت امام ہادی کے صاحبزادے اور امام حسن عسکری کے بھائی سید محمد کا مزار واقع ہے۔ہم سامرّا جاتے ہوئے پہلے وہاں حاضر ہوئے۔حسب معمول خوبصورت اور مزین و آراستہ حجرے میں دلکش و دیدہ زیب جالیوں کے اندر حضرت سید محمد کا مزار واقع ہے۔مزار پر ایک قاب میں یہ تحریر آویزاں ہے:

''هو العزيز السلام عليك يا مولاي يا ابا جعفر السيد محمد بن الامام علي الهادي عليهما السلام۔''

حضرت سید محمد بن حضرت امام ہادی رضی اللہ عنہما :

ابا جعفر محمد بن علی الھادی مشہور بہ سید محمد، حضرت امام ہادی علیہ السلام کے فرزند اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ان کی کنیت ابوجعفر اور ابو جاسم اور سبع الدجیل وسبع الجزیرہ القاب ہیں۔حضرت سید محمد کی ولادت مدینہ منورہ کے ایک گاؤں صریا میں ۲۲۸ھ میں ہوئی۔حضرت سید محمد کے تین بھائی امام حسن عسکری، حسین اور جعفر تھے۔حضرت سید محمد نہایت ہوش مند، بلند اخلاق تھے اور علم وفضل میں ممتاز تھے۔ابوجعفر سید محمد اپنے بھائی حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہتے۔حضرت امام نے بھی ان کی تربیت مکمل طور پر اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور علوم ومعارف و آداب سے انھیں مسلسل آراستہ کرتے رہتے تھے۔اسی دوران ابوجعفر سید محمد سخت علیل ہوئے اور ۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔حضرت ابوجعفر سید محمد کی رحلت کے دو سال بعد یعنی ۲۵۴ھ میں حضرت امام ہادی کا وصال ہوا یا شہادت پائی۔حضرت ابوجعفر سید محمد اپنے والد حضرت امام ہادی کی نگاہ میں بہت قدر ومنزلت رکھتے تھے۔حضرت امام ہادی نے اپنے صاحبزادے کے کفن ودفن کا انتظام خود فرمایا۔ان کا مزار سامرّا کے قریب شمالی بغداد کے شہر بلد میں جو عراق کے صوبہ صلاح الدین کا حصہ ہے، مرجع خلائق ہے۔

بلد میں حضرت ابوجعفر سید محمد کے مرقد کی زیارت کے بعد ہم سامرا آ گئے۔روضہ کی سیکورٹی چیک پوائنٹ سے روضہ خاصے فاصلے پر تھا لہٰذا ہم لوگ آستانے کے ذریعہ زائرین کے لیے فری بس سروس سے روضہ تک آئے اور حدود روضہ کے اندر چلے آئے جہاں حضرت امام ہادی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے مزارات واقع ہیں اور عسکریین بھی کہے جاتے ہیں۔

حضرت امام علی ہادی علیہ السلام :

حضرت امام ہادی سلسلہ اثنا عشر کے دسویں امام ہیں۔ان کا پورا نام علی بن محمد بن علی تھا۔۱۵/ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو مدینۂ منورہ کے صریا میں متولد ہوئے۔بعض محققین نے سال ولادت ۲۱۴ھ مطابق ۸۲۹ء تحریر کیا ہے۔ان کے والد نویں امام حضرت امام محمد الجواد تھے اور والدہ کا نام سمانہ مغربیہ معروف بہ سیدہ ام الفضل تھا۔حضرت امام ہادی تیس سال کی عمر تک مدینہ منورہ میں مسند درس پر متمکن رہے۔یہاں تک کہ خلیفہ متوکل عباسی نے انہیں بغداد طلب کیا۔قیام بغداد کے دوران وہ چھ عباسی

خلفا کے معاصر رہے اور ابتلا و آزمائش کا دور رہا۔ شیعی روایات کے اعتبار سے معتز عباسی کی ایما پر ۲۵۴ھ مطابق ۸۶۸ء میں انہیں زہر دیا گیا، نتیجتاً ان کا وصال ہوگیا اور وہیں سامرا میں مدفون ہوئے۔ حضرت امام ہادی کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور القاب ہادی، نقی وغیرہ ہیں۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام دینی زعامت، ذاتی عظمت وصفاتی برتری کی بنیاد پر بہت بڑی شخصیت ہیں۔ وہ حسب و نسب اور عصمت وعفت میں اپنے اجداد کرام کی طرح ممتاز تھے اور منصب امامت پر فائز ہونے کی وجہ سے واجب الاطاعت دینی رہنما مانے جاتے ہیں۔ امام علی نقی بچپن اور جوانی میں یکساں طور پر تقوی، ولایت وامامت اور اخلاق وعلم میں مخدوم امت رہے۔ امام ہادی علیہ السلام کی پرورش اماموں کی شان کے مطابق ہوئی تھی اور وہ کم سنی کے باوجود اعلی اخلاق وکمالات علم وفن سے آراستہ تھے۔ اہل مدینہ شہادت دیتے تھے کہ امام ہادی اس قدر کم سنی کے باوجود علم وعمل میں اپنے والد کا پرتو تھے۔ ۲۱۸ھ میں ان کے والد امام تقی معروف بہ امام جواد مدینہ سے بغداد گئے اور دو سال بعد ۲۲۰ھ میں جب کہ امام ہادی کی عمر آٹھ یا چھ سال تھی جان جان آفریں کے سپرد کی اور کاظمین میں مدفون ہوئے۔ جس کا ذکر قبل کے صفحات میں آچکا ہے۔ والد کے وصال کے بعد امامت کی ذمہ داری امام ہادی پر آپڑی اور وہ ہدایت عوام، درس وتبلیغ اور دوسرے فرائض انجام دینے لگے۔ لوگ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے لیے آتے تو حضرت امام سے ملاقات کرتے۔ دور دراز کے لوگ مسائل پوچھتے اور مدینہ کے علما قرآن و احادیث اور عقائد واحکام کا درس لیتے۔ سینکڑوں اصحاب نے امام ہادی سے سماعت حدیث اور روایت کی ہے۔

سامرا میں امام ہادی علیہ السلام محلہ عسکر میں رہتے تھے اسی لیے عسکری ان کا لقب قرار پایا۔ جس مکان میں ان کا قیام تھا اسی میں موجود مسجد میں نماز ادا فرماتے اور وہیں درس دیتے تھے۔ ہمہ وقت موت کا خیال ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا چنانچہ انہوں نے اپنے مصلے کے قریب ایک قبر کھدوائی تھی۔ جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اپنے دل میں موت کا خیال قائم رکھنے کے لیے اپنی قبر اپنی آنکھوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت امام ہادی علیہ السلام نے ۲۵۴ھ میں زہر کے باعث شہادت پائی۔ امام حسن عسکری نے تجہیز وتکفین کے فرائض ادا کیے اور ہزاروں لوگوں کے مجمع میں حضرت امام ہادی کو اسی قبر میں دفن کیا گیا جو انہوں نے اپنے لیے تیار کر رکھی تھی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام :

حضرت امام حسن عسکری سلسلۂ اثنا عشر کے گیارہویں امام ہیں۔ ان کا نام حسن بن علی بن محمد، القاب ابن الرضا، صامت، ہادی، رفیق، زکی اور تقی اور کنیت ابومحمد ہے۔ امام حسن عسکری کے والد امام علی الہادی تھے اور والدہ حُدیث یا سلیل یا سوسن تھیں۔ امام حسن کی نسبت ان کے والد ماجد امام ہادی العسکری کی طرح ''العسکری'' ہے اور یہ نسبت سامرا کی طرف ہے جسے مدینۃ العسکر کہتے تھے۔ حضرت امام حسن عسکری زیادہ تر منابع کے مطابق ربیع الثانی ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ء میں مدینہ منورہ میں اس وقت متولد ہوئے جب ان کے والد ماجد وہاں مسند درس آراستہ کیے ہوئے تھے۔ بعض دوسرے منابع ان کا سال ولادت ۲۳۰ھ اور

۲۳۱ھ بھی تحریر کرتے ہیں۔اسی طرح بعض محققین نے ان کی جائے ولادت سامرا رقم کی ہے۔حضرت امام حسن عسکری اپنے والد ماجد کے ساتھ ۲۳۳ھ مطابق ۸۴۷ء یا ۲۳۴ھ مطابق ۸۴۸ء میں سامرا آئے اور وہیں ان کے ساتھ اقامت گزیں ہو گئے۔اگر چہ امام حسن عسکری نے عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی مگر اپنی امامت کی چھ سالہ مدت میں وہ مسلسل حکومت وقت یعنی عباسیوں کے زیر نگرانی رہے بلکہ ایک مرتبہ المعتمد عباسی نے انھیں قید میں بھی ڈال دیا تھا۔شیعی روایت کے اعتبار سے پہلے امام ہادی علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے ابوجعفر محمد کو اپنے بعد امام نامزد کیا تھا لیکن چونکہ وہ ان کی حیات میں ہی وفات پا گئے اس لیے پھر ۲۵۴ھ مطابق ۸۶۸ء میں امام حسن عسکری کو اپنا جانشین امام منتخب کیا۔

امام حسن عسکری کی مدت امامت ۲۵۴ھ سے ۲۶۰ھ یعنی چھ برسوں کو محیط ہے۔ربیع الاول ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء میں حضرت امام عسکری علیل ہوئے اور صرف سات دن کی کوتاہ علالت کے بعد وصال فرمایا اور اپنے گھر میں اپنے والد حضرت امام ہادی علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔شیعہ علما کے مطابق علالت کے دوران المعتمد عباسی نے امام کی خدمت کے لیے اپنے خادم اور طبیب بھیجے اور معز زعلویوں اور عباسیوں کی خاصی تعداد ان کی عیادت کے لیے آتی رہی۔ بعد کے شیعی مآخذ میں المعتمد عباسی پر حضرت امام حسن عسکری کو زہر دے کر شہید کرانے کا الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔

حضرت امام حسن عسکری کی رحلت کے بعد ان کی اولاد کے مسئلہ میں شیعوں میں بہت اختلاف پیدا ہوا۔بعض نے دعوی کیا کہ انھوں نے ایک اولاد نرینہ چھوڑی ہے جن کا نام محمد ہے اور جو امام آخر الزماں ہیں اور غیبت میں ہیں اور حضرت امام مہدی کے بطور ان کا ظہور ہوگا۔شیعوں کا ایک طبقہ اس دعوے کا منکر ہے۔ایک طبقہ امام حسن عسکری کو امام قائم مانتا ہے اور ان کی واپسی کا دعویدار ہے۔جب کہ ایک گروہ ابوجعفر محمد کو القائم اور المہدی مانتا ہے اور ان کے غیبت میں ہونے کا مدعی ہے اور شیعوں کا ایک گروہ جعفر ابن امام ہادی (معروف بہ جعفر کذاب) کی امامت کا قائل ہے۔غرض آخری امام کے مسئلہ پر شیعوں میں بارہ، چودہ اور بیس فرقوں کا ذکر ملتا ہے۔

روضۂ حسن عسکریین میں داخلے کے لیے ایک وسیع وعریض صحن کو عبور کر کے بڑے داخلی دروازے جس کا نام "باب الغیبۃ" ہے، سے گذرنا پڑتا ہے۔یہ خوبصورت وبلند وبالا دروازہ نیلے رنگ کے پتھروں سے مرصع ومزین ہے اور سب سے اوپر "السلام علیك یا ھادی الامم" اور دروازے کا نام "باب الغیبۃ" جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔اس کے نیچے خوبصورت نسخ میں آیت قرآنی "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ . وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ إِلَى الۡجَنَّةِ زُمَراً حَتّٰى إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتۡ أَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خَالِدِيۡنَ" کندہ ہے۔پھر اس کے نیچے "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ، اُدۡخُلُوهَا بِسَلاَمٍ اٰمِنِيۡنَ" اور اس کے نیچے چوبی دروازے کے بالائی حصے پر "إِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنكُمُ الرِّجۡسَ أَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡراً" مرقوم ہے۔

صدر دروازے سے داخل ہونے پر ایک صحن سے گزر کر زائر سائبان میں پہنچتا ہے جہاں دیوار پر ہر طرف خوبصورت مینا کاری کا ایرانی طرز کا کام کیا ہوا ہے۔ سائبان کی دیوار پر قاب میں اور پتھر پر زیارت کا سلام مرقوم ہے جو اس طرح ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم۔ اللهم صل على محمد و آل محمد۔ السلام عليكما يا وليي الله، السلام عليكما يا حجتي الله، السلام عليكما يا نوري الله في ظلمات الارض، السلام عليكما يا من بدالله في شأنكما، اتيتكما زائراً وعارفاً بحقكما معادياً لاعدائكما موالياً لاوليائكما مومنا بما امنتما به، كافراً بما كفرتما به، محققا لما حققتما، مبطلا لما ابطلتما، اسأل الله ربي وربكما ان يجعل حظي من زيارتكما، الصلاة على محمد و آله، و ان يرزقني مرافقتكما في الجنان مع آبائكما الصالحين و اسأله ان يعتق رقبتي من النار و يرزقني شفاعتكما و مصاحبتكما وحب آبائكما الصالحين، وان لايجعله آخراً لعهد من زيارتكما، و يحشرني معكما في الجنة برحمته، اللهم ارزقني حبهما وتوفني على متلهما، اللهم العن ظالمي آل محمد حقهم و انتقم منهم، اللهم العن الاولين منهم والآخرين وضاعف عليهم العذاب، وابلغ بهم و باشياعهم و محبيهم و متبعيهم اسفل درك من الجحيم انك على كل شيء قدير۔ اللهم عجل فرج وليك و ابن وليك واجعل فرجنا مع فرجهم يا ارحم الراحمين۔

پھر سائبان سے اندرون روضہ داخل ہونے پر ایک بڑی ضریح مبارک میں امامین عسکریین کے مزارات ہیں۔ اس روضہ مبارک کو ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۷ء کے داعش والقاعدہ کی دہشت گردانہ و وحشیانہ بمباری کے نتیجے میں سخت گزند پہنچی تھی اور گنبد و مینار وغیرہ تباہ ہو گئے تھے۔ اس حادثہ فاجعہ کے بعد روضہ مبارک کی دوبارہ تعمیر و تزئین کا کام شروع ہوا جو ۲۰۱۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ طلائی گنبد کی تعمیر میں ۲۳ ہزار سونے کی اینٹوں کا استعمال ہوا ہے۔ دوبارہ تعمیر و تزئین میں ۷۰ کلو سونا، ساڑھے چار ہزار کلو چاندی، گیارہ سو کیلو تانبا اور گیارہ ٹن ساج کی لکڑی کا استعمال ہوا ہے۔ ضریح عسکریین ۲۰۱۲ء میں ایران سے تیار کر کے لائی گئی ہے جس میں ساڑھے چار ٹن چاندی اور ساٹھ کیلو سونا استعمال کیا گیا ہے۔ حدود روضۂ سامرا میں شمال مغرب کی طرف ایک وسیع و عریض مسجد اور تہہ خانہ بھی واقع ہے جسے سرداب غیبت کہا جاتا ہے اور مشہور ہے کہ حضرت امام مہدی اسی سرداب غیبت سے پردے میں چلے گئے ہیں۔ یہ تہہ خانہ دراصل حضرت امام حسن عسکری کے قیام اور عبادت و ریاضت کی جگہ تھی جو زائرین کے لیے مقام زیارت ہے اور بالخصوص شیعوں کی نگاہ میں پاکیزہ و مقدس مقام ہے اور چونکہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام مہدی اپنے والد امام حسن عسکری کی حیات میں اس گھر میں دیکھے گئے تھے، اسی لیے اس مکان کو سرداب غیبت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حاضری مرقدین کے بعد ہم لوگ صحن روضہ سے گزر کر لنگر خانہ میں پہنچے۔ وہاں اس وقت لنگر چل رہا تھا چنانچہ ہم لوگوں نے بھی وہیں دن کا کھانا کھایا۔ دروازے کے قریب بڑے باکس رکھے ہوئے تھے جس میں مخیر حضرات لنگر کے

انتظام وانصرام کے لیے اپنی خواہش کے مطابق بلا جبر عطیہ ڈال دیتے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کے بعد ہم لوگ واپسی کے لیے آمادہ ہوئے اور راستے میں مالک اشتر سے منسوب مقبرے پر بھی گئے۔

مالک بن حارث اشتر نخعیؒ :

مالک بن حارث نخعی کے سن ولادت کے بارے میں معلوم نہیں ہے البتہ یہ متیقن ہے کہ ان کی پرورش و پرداخت یمن میں ہوئی اور ۱۱ھ یا ۱۲ھ میں مالک اشتر نے وہاں سے ہجرت کی تھی۔ اشتر کے معنی ہوتے ہیں الٹے پپوٹوں والا۔ ۱۵ھ میں وقوع پذیر ہونے والی جنگ یرموک میں مالک بن حارث کی آنکھوں کے پپوٹے تلوار کی ضرب کی وجہ سے الٹ گئے تھے اس لیے انہیں اشتر کا لقب دیا گیا۔ مالک بن حارث قبیلۂ نخع سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کے خاندان مذحج کی ایک شاخ ہے۔ تاریخ و رجال کی کتب میں ان کی ولادت اور عمر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ابن حجر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ عہد جاہلیت پایا تھا اور ابن سعد نے انہیں تابعین کے طبقۂ اولی میں شمار کیا ہے۔ جب کوفہ بسایا گیا تو مالک اشتر نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ مالک اشتر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور اس عہد کے برسر حکومت طبقے کے خلاف مستقل شورش برپا کر رکھی تھی۔ ۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں بلوائیوں کی شورش کے موقع پر جس کا خاتمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا، مالک اشتر کوفہ سے دوسو آدمیوں کے ساتھ آ کر شورش میں شریک ہوئے تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا بلکہ ان کا نام قاتلین عثمان غنیؓ میں بھی لیا جاتا ہے۔ مالک اشتر حضرت مولائے کائنات امیر المومنین علی علیہ السلام کے معتقدین میں تھے اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کی خلافت کی بیعت کی دعوت میں سرگرم کردار ادا کیا۔ مالک اشتر نے نہایت سرگرمی کے ساتھ حضرت علی کی طرف سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں نہایت جانبازی اور جانثاری کے ساتھ شرکت کی تھی۔ جنگ صفین ۳۷ھ کے بعد حضرت علی نے مالک اشتر کو پہلے موصل اور عراق و شام کا والی مقرر کیا پھر بعد میں انہیں مصر کا والی متعین کیا۔ لیکن مالک اشتر کو مصر کے راستے میں قلزم کے مقام پر ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ جب مالک اشتر نے مصر کے قلزم میں انتقال کیا تو قبر بھی وہیں ہونی چاہیے نہ کہ ڈیڑھ ہزار کلو میٹر دور سامرا کے اطراف میں۔ چنانچہ بعض مآخذ میں مالک اشتر کا مقبرہ مصر کے القلزم میں بتایا جاتا ہے، ایسی صورت میں سامرا کے قریب واقع مقبرہ مشکوک اور موضوع ہو جاتا ہے۔

ہم شام کے چار بجے تک سامرا کے سفر سے بغداد اپنے ہوٹل لوٹ آئے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم لوگ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری کے لیے روانہ ہو گئے اور مغرب و عشا آستانے کی مسجد میں ادا کی۔ وہ ۱۶/ جولائی کی تاریخ تھی اور بغداد کے قیام کا آخری دن تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے آستانہ غوث اعظم کے سجادہ نشین سے ملاقات کی کوشش کی۔ پتہ چلا کہ وہ بیرون ملک سفر پر گئے ہوئے ہیں، ان کے چھوٹے بھائی شیخ خالد جیلانی سے ملاقات رہی۔ عشا سے

فارغ ہو کر ہم لوگ ہوٹل واپس آ گئے اور اپنا رخت سفر باندھ کر کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سو گئے کیوں کہ ۱۷ر جولائی ۲۰۱۹ء کو بغداد سے کربلا کے لیے روانگی تھی جو تقریباً ایک سو پانچ کلو میٹر دور تھا اور دو گھنٹے سے کچھ زائد کا سفر تھا۔

دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد بغداد سے روانگی میں خاصی تاخیر ہوگئی اور ہم لوگ وہاں سے ساڑھے گیارہ بجے نکل سکے کیوں کہ ہوٹل والوں نے حساب وکتاب میں گڑبڑ کر رکھی تھی اور مدیر قافلہ کو پیمنٹ کے سلسلے میں بہت پریشان کیا۔ بہر حال کسی طرح ہوٹل کا حساب وکتاب بے باق ہونے کے بعد ہم لوگوں کا پاسپورٹ ملا اور ہم لوگ اپنی اگلی منزل کربلا کی طرف روانہ ہوئے اور پہلے بغداد میں ہی واقع حضرت ابوالحفص شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے مرقد مبارک پر حاضری کی نیت سے پہنچے۔ لیکن سوئے اتفاق کہ حضرت شیخ سہرورد کے روضے کے اندر تعمیری کام چل رہا تھا اس لیے دروازہ مقفل تھا اور داخلہ ممنوع تھا۔ کچھ سعی کی گئی کہ حاضری کی کوئی صورت بن آئے لیکن کامیابی نہ مل سکی اور باہر سے ہی سلام پیش کر کے لوٹنا پڑا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ :

حضرت شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن عبداللہ ۵۳۹ھ مطابق ۱۱۴۵ء میں ایران کے صوبہ جبال کے سہرورد میں متولد ہوئے۔ آپ شافعی المذہب عالم دین اور مشاہیر صوفیہ میں تھے اور حضرت سیدنا صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ عرفان وتصوف کی تعلیم اپنے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی اور حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہما سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ اپنے معاصر دوسرے صوفیہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ تم عراق کے مشاہیر میں آخری ہوگے "انت آخر المشھورین بالعراق۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کئی تصانیف ہیں جن میں عوارف المعارف، رشف النصائح اور اعلام الھدی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ عوارف المعارف، حضرت شیخ سہرورد کی سب سے مشہور تصنیف ہے جسے انہوں نے مکہ معظمہ میں اس طرح تصنیف کیا کہ جب کسی نکتے کے حل میں انہیں مشکل پیش آتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور رفع اشکال کی توفیق طلب کرتے اور ان کی عقدہ کشائی ہوجاتی۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ساری زندگی بغداد میں رہے اور بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۴ء میں تقریباً ترانوے سال کی عمر میں بغداد میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے یہاں کی حاضری کی ناکام سعی کے بعد ہم لوگ سفر کربلا کے لیے روانہ ہوگئے۔ کربلا کے راستے میں بغداد سے تقریباً ستر کلو میٹر کے فاصلے پر مُسَیّب '(Musayib) واقع ہے۔ جہاں حضرت مسلم بن عقیل کے دو صاحبزادوں حضرت محمد اور حضرت ابراہیم کے مزارات واقع ہیں۔ ہم لوگوں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کر کے مسیب میں صاحبزادگان حضرت مسلم کے مرقد پر حاضری دی۔

صاحبزادگان حضرت مسلم بن عقیلؓ:

حضرت مسلم بن عقیل کے دو صاحبزادے حضرت ابراہیم ومحمد، حضرت مسلم کے ساتھ اس وقت کوفہ آئے جب حضرت مسلم کو کوفیوں کی دعوت پر حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اپنے نائب کے طور پر کوفہ بھیجا۔ جب کوفیوں نے غداری کی اور ابن زیاد کے حکم سے حضرت مسلم شہید کر دیئے گئے تو ان کے دونوں بیٹوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ کچھ مدت تک قید میں رہنے کے بعد قید خانہ کے نگہبان کی مدد سے ایک رات یہ دونوں صاحبزادے قید خانے سے بھاگ نکلے اور ایک خاتون کے یہاں پناہ لی جو اہل بیت سے محبت رکھتی تھی۔ عورت کا شوہر عبید اللہ بن زیاد کی فوج میں سپاہی تھا۔ دو دنوں تک دونوں صاحبزادے اس عورت کے گھر میں پناہ گزیں رہے۔ آخر کار اس عورت کے شوہر حارث کو اس کا پتہ چل گیا اور وہ دونوں بچوں کو فرات کے کنارے لے گیا اور ان کے سر تلوار سے جدا کر دیئے اور جسم کو فرات کی لہروں کے حوالے کر دیا اور سر لے کر ابن زیاد کے دربار میں انعام کے لیے حاضر ہوا لیکن انعام دینے کے بجائے ابن زیاد نے اس کا سر قلم کرا دیا۔ ان صاحبزادوں کے سال پیدائش وغیرہ کے سلسلے میں کوئی اطلاع دستیاب نہیں ہے البتہ بعض مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صاحبزادوں کی شہادت کربلا کے حادثۂ فاجعہ کے بعد ہوئی جب کہ روایت مشہورہ کے اعتبار سے ان صاحبزادگان کے مزارات، مسیب میں ایک خوبصورت و بہترین روضے کے اندر موجود ہیں۔ دونوں صاحبزادگان کے مزارات الگ الگ ضریح میں واقع ہیں اور دونوں کی ضریح پر یہ کتبہ بالترتیب لگا ہوا ہے:

"مرقد ابراهيم بن مسلم بن عقيل بن ابي طالب عليه السلام"

"مرقد محمد بن مسلم بن عقيل بن ابي طالب عليه السلام"

اور داخلی دروازے کے اندرونی سائبان میں نیلے منقش پتھر پر زیارت کے سلام کی یہ عبارتیں کندہ ہیں:

"بسم الله الرحمن الرحيم۔ السلام عليكما يا قرة عين رسول الله السلام عليكما يا فلذتي كبد ابن عم رسول الله السلام عليكما يا ناصري سبط رسول الله السلام عليكما ايها السابقان في الشهادة من ذي رحم رسول الله السلام عليكما ايها الشهيدان في نصرة دين الله السلام عليكما ايها المظلومان القتيلان بأيدي الاشقياء السلام عليكما ايها المخلفان من مسلم ابن عقيل القتيل السلام عليكما ايها الذبيحان من نسل اسماعيل السلام عليكما ايها الحيان المرزوقان عند ربكما الجليل۔ اشهد انكما جاهدتما في نصرة دين الله و حماية عترة رسول الله حق الجهاد فجزاكما الله عنه و عن نبيه و عن الاسلام واهله افضل جزاء الشهداء و انمى حظوظ السعداء و ارفع درجات الاتقياء والحقكما الله و ايانا بحقكما بآبائكما الشرفاء من الانبياء والاوصياء والشهداء والصلحاء و حسن اولئك رفيقا ولا خيبنا الله من هذه السعادة و

شفاعة هؤلاء الشفعاء ورزقنا الله زيارة الائمة الطيبين الطاهرين المعصومين ولا سيما الحسين (ع) بن علی الشهيد المظلوم بكربلاء آمين آمين آمين يارب الارض والسماء۔ السلام عليكما يا محمد ويا ابراهيم ولدی مسلم بن عقيل بن ابی طالب عليه السلام ورحمة الله وبركاته۔"

صاحبزادگان حضرت مسلم بن عقیل کے یہاں کی حاضری کے بعد ہم لوگوں نے وہیں بنے مصلی میں انفرادی طور پر نماز ظہر ادا کرلی کیوں کہ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ پھر مسیب کی حاضری سے فارغ ہو کر ہمارا قافلہ عازم کربلائے معلی ہوا اور تقریباً دو پہر کے ڈھائی بجے ہم لوگ کربلا پہنچ گئے اور اپنے اثاثے لے کر ہوٹل آل یاسین پہنچ گئے جہاں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ ہم لوگ آل یاسین کے استقبالیہ ہال میں بیٹھ کر کمرہ ملنے کا انتظار کرنے لگے۔ وہاں ایک خاص بات یہ تھی کہ استقبالیہ ہال کے ایک گوشے میں ایک ٹیبل پر گرم پانی، ٹی بیگس، شکر اور ڈسپوزل گلاس وافر مقدار میں رکھے ہوئے تھے اور کوئی بھی شخص اپنی خواہش کے مطابق چائے پی سکتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی چائے کی طلب میں وہاں پہنچے۔ اسی درمیان ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ہمارے ایک رفیق سفر کی نظر اس بینر پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا "شکرا لتعاونکم معنا"، اور دوسری سطر میں مرقوم تھا "عذرا عن ای تقصیر"، اور انھوں نے برجستہ مجھے اس طرف متوجہ کراتے ہوئے کہا کہ دیکھئے یہاں لکھا ہے کہ "شکر لینا منع ہے، اس سلسلے میں آپ کا کوئی عذر نہیں چلے گا"۔ ان بزرگوار کے اس برملا برجستہ اور مناسب وقت ترجمے پر ہم لوگ بے ساختہ ہنس پڑے۔ بہر حال چائے ختم کرتے کرتے ہم لوگوں کے کمرے کا تعین ہوگیا اور ہم لوگ اپنے سامانوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئے۔ بغداد کے ہی ہوٹل کی طرح ہم لوگوں نے کربلا کے آل یاسین ہوٹل میں قیام کیا۔ یعنی ایک کمرے میں حضرت سیدی ومرشدی مولانا شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ، راقم، جناب نظام الدین رحمانی اور جناب محمد کلیم ہم چاروں لوگ ایک ساتھ ٹھہرے لیکن بغداد میں یہ قیام ایک کمرے میں تھا اور ہمارے بیڈ اغل بغل تھے، یہاں کربلا میں سوئیٹ تھا اور سامنے کے حصہ میں ہم لوگوں نے حضرت مرشدی مدظلہ کو ٹھہرایا اور ہم تین افراد پشت کے حصے میں ٹھہرے۔ کمرے میں آ کر فریش ہونے کے بعد ہم لوگوں نے نیچے جا کر کھانا کھایا اور پھر آرام کیا۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم لوگ حضرت سیدنا امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری کے لیے نکلے۔ جب سیکورٹی چیک وغیرہ کے مرحلے سے گذر کر ہم اس حدود میں پہنچے تو سب سے پہلے سامنے حضرت ابوالفضل عباس علمدار رضی اللہ عنہ کا نہایت خوبصورت اور دلکش تعمیر کا نمونہ روضہ نظر آیا۔ باہر سے ہی سلام پیش کر کے ہم کچھ دور چلے تو سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام کا پرشکوہ روضہ تھا۔ ہم لوگ وہاں موبائل اور چپل وغیرہ جمع کر کے سیکوریٹی چیک کے بعد مشرق کی طرف واقع "باب قاضی الحاجات" سے اندر داخل ہوئے اور پہلے ایک وسیع وعریض نہایت خوبصورت ہال میں داخل ہوئے جو نماز اور مجالس کے انعقاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس ہال سے گزرتے ہوئے جب آگے بڑھے تو سب سے پہلے ایک ضریح ملی جس پر "شہداء الطف" لکھا ہوا تھا۔ یہ حضرت سیدنا امام حسین کے بعض اہل خاندان

اور رفقا کا اجتماعی مدفن ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت قاسم اور حضرت عباس علمدار کے صاحبزادگان اسی اجتماعی قبر میں مدفون ہیں۔ شہدائے طف کی ضریح کے مغرب میں واقع ایک وسیع وعریض حرم میں حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی ضریح مبارک واقع ہے۔ یہ ضریح بھی طول وعرض میں کافی بڑی ہے اور وہاں موجود خدام نے جیسا بتایا اس کے اعتبار سے اس ضریح مبارک میں حضرت امام حسین کے داہنے پہلو میں حضرت علی اکبر اور بائیں پہلو میں حضرت علی اصغر ایک ہی قبر کے اندر مدفون ہیں۔ ان ہی خادموں میں سے ایک صاحب نے یہ بھی بتایا کہ حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس چالیس روز کے بعد وہیں لا کر حضرت امام زین العابدین کے ذریعہ دفن کیا گیا شاید اسی نسبت سے ۲۰ رصفر کو اربعین یا چہلم منانے کا رواج ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم میں ہی حضرت حبیب ابن مظاہر کا مزار ہے جو حضرت امام کے رفقاء میں تھے اور کربلا میں شہید ہوئے۔ اسی حلقے میں حضرت امام موسیٰ کاظم کے پوتے اور حضرت سید محمد عابد کے صاحبزادے سید ابراہیم المجاب بھی مدفون ہیں جو یقینا واقعہ کربلا کے بہت بعد میں مدفون ہوئے ہوں گے۔ حضرت سیدنا امام ہمام امام عالی مقام علیہ السلام کے احوال اور واقعات کربلا تو بہت مشہور ومعروف ہیں لیکن دل کا تقاضا ہے تیمناً وتبرکاً اجمالی طور پر یہاں بھی عرض کیا جائے۔

حضرت سیدنا امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین علیہ السلام :

حضرت سیدنا امام حسین بن علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے، حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت علی کے فرزند دلبند، سید الشہداء اور سلسلۂ ائمہ اہلبیت کے تیسرے امام ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۳ رشعبان ۴ ھ مطابق ۶۲۶ ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ نے سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی آغوش مقدس ومطہر میں پرورش پائی۔ ولادت کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اپنا لعاب دہن منھ میں ڈالا، حسین نام رکھا، ساتویں دن عقیقہ کیا، سر کے بال اتروائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سید الشہداء ہے۔ امام حسین، امام حسن سے کچھ ماہ ہی چھوٹے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نواسوں سے بے پناہ اور یکساں محبت فرماتے تھے۔ دونوں بھائی نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے۔ سر سے سینہ تک حضرت امام حسن علیہ السلام اور سینہ سے قدم تک حضرت امام حسین علیہ السلام بعینہ نانا جان کے مشابہ تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذاتی اوصاف وکمالات کے سلسلے میں کثرت سے فرمان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہیں جن میں "الحسین منی و انا من الحسین"، "احب اللہ من احب حسینا" اور "حسین سبط من الاسباط" وغیرہ بہت معروف ہیں۔ اس کے علاوہ بھی جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہری محبت حضرت امام حسین سے تھی اور آپ نے جتنی ان کی فضیلت بیان کی ہے، اس کی تفصیل تمام کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہے۔ ایک مرتبہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لائے اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور

حضرت امام حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ ایک چادر میں لے کر فرمایا ”اللھم ھولاء اھل بیتی، اللھم اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا“۔ اس کے بعد سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نازل ہوئی اور ارشاد باری ہوا ”اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔“ یہ واقعہ حدیث کسا کے نام سے مشہور ہے اور اسی کی بناء پر ان پانچوں نفوس قدسیہ کو اصحاب کساء کہا جاتا ہے ۔ ۱۰ھ میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جب دعوت مباہلہ کا مرحلہ ہوا تو حضرت امام حسین علیہ السلام بھی ان اہلبیت میں شامل تھے جنھیں لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت مباہلہ کے لیے نکلے تھے۔

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور یزد جرد ثالث کی بیٹیاں اسیر ہو کر مدینہ لائی گئیں تو حضرت عمر نے حضرت شہر بانو کو حضرت امام حسین سے منسوب کیا جن کے بطن سے ۳۸ھ میں حضرت امام زین العابدین کی ولادت ہوئی ۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں حضرت امام حسن اور امام حسین کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا۔

۳۵ھ میں حضرت سیدنا مولائے کائنات علی بن ابی طالب علیہ السلام کے امیر المؤمنین مقرر ہونے کے بعد جب دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل ہوا تو حضرت امام حسین بھی مدینہ سے کوفہ تشریف لائے ۔ جنگ جمل میں حضرت امام حسین نے حضرت علی کی طرف سے میسرہ کی کمان سنبھالی تھی اور جنگ صفین کے موقع پر بھی وہ اپنے والد ماجد کے ہم دوش رہے ۔ حضرت امام حسین تحکیم حکمین اور معرکۂ خوارج میں بھی اپنے والد ماجد اور برادر معظم کے ساتھ رہے ۔ ۴۰ھ میں حضرت مولائے کائنات کی شہادت کے وقت حضرت امام حسین کوفہ میں موجود تھے اور اپنے والد ماجد کی تجہیز و تکفین میں حضرت امام حسن کے ساتھ تھے ۔ اس کے بعد امام حسن کے معاملات خلافت میں بھی سامنے رہے پھر امام حسن کی صلح کے بعد تمام اہلبیت کوفہ سے مدینہ واپس تشریف لے آئے ۔

مدینہ منورہ میں امام حسین خاموشی کے ساتھ دینی فرائض انجام دیتے رہے ۔ حضرت امام حسین، حضرت امام حسن کے ساتھ حفظ مراتب کا بہت خیال رکھتے تھے اور نہایت ادب سے بات کرتے تھے جب کہ حضرت امام حسن بھی حضرت امام حسین کی اس طرح تعظیم کرتے تھے کہ لگتا تھا کہ امام حسین ہی بڑے ہیں، یہاں تک کہ ۵۰ھ میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے شہادت پائی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام شروع سے ہی اصلاح و تعلیم کی طرف میلان رکھتے تھے ۔ چنانچہ اکابر مدینہ علمی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے ۔ حضرت امام درس قرآن اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تھے ۔ عبادت و ریاضت آپ کا معمول تھا ۔ بکثرت نوافل ادا فرماتے، روزے رکھتے، قیام اللیل کا مداومت سے اہتمام فرماتے اور سادہ غذا سے افطار کرتے تھے ۔ پچیس حج کیے ۔ حسب و نسب کی کرامت و عظمت اور علوئے مرتبت کے باوجود حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے ۔ حسن سلوک اور مساکین کی حاجت روائی آپ کی سرشت میں داخل تھی ۔ فصاحت و بلاغت اور حکمت و دانائی میں مشارٌ الیہ تھے ۔

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا سب سے عظیم اور یادگار کارنامہ وہ قربانی ہے جو انھوں نے ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء میں کربلا کے میدان میں پیش کی۔ حضرت امام حسین نے ۵۶ھ میں یزید لعین کی ولی عہدی کی پرزور مخالفت کی چنانچہ ان سے شام سے جواب طلب کیا گیا۔ حضرت امام حسین نے جواب میں حکومت وقت پر سخت تنقید کی اور یزید کی ولی عہدی کو ناجائز قرار دیا۔ ۶۰ھ میں یزید نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور مدینہ منورہ میں یہ خط بھیجا کہ حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت کے لیے مجبور کرو اور پوری سختی کرو۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان جو مدینہ کا گورنر تھا، اس نے قاصد بھیج کر حضرت امام حسین کو طلب کیا۔ حضرت امام حسین مقصد سمجھ گئے اور اپنے اعزہ وموالی کو لے کر ولید بن عتبہ کے یہاں پہنچے۔ اس وقت مروان بھی موجود تھا۔ ولید بن عتبہ نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور بیعت کا طلب گار ہوا۔ حضرت امام عالی مقام نے جواب دیا کہ مجھ جیسے شخص کی پوشیدہ بیعت کو تم کافی نہیں سمجھو گے اس لیے مجمع عام میں مجھ سے یہ مطالبہ کرنا۔ ولید اس بات پر راضی ہو گیا لیکن مروان نے اسے بھڑکایا کہ اگر اس وقت حسین تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہیں آئیں گے۔ اس کے اس بھڑکانے پر حضرت امام غضبناک ہو گئے اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے اور دوسرے دن مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند، بھتیجے اور دوسرے اہل بیت بھی روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل حضرت امام سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور پھر والدۂ ماجدہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور دل کھول کر زیارت کی پھر عام شاہراہ سے سفر کرتے ہوئے ۴ رشعبان ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور شعب علی میں قیام کیا۔ ادھر کوفہ میں یزید کی حکومت کے خلاف بددلی پھیل چکی تھی اور اہل کوفہ نے حضرت امام عالی مقام کو بلانے کے لیے خط لکھنے شروع کیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کو عراق روانہ کیا۔ حضرت مسلم کوفہ پہنچے تو وہاں ان کا زبردست استقبال ہوا اور لوگوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت امام حسین کے لیے بیعت کی۔ حضرت مسلم نے کوفہ کے لوگوں کی گرم جوشی کی اطلاع حضرت امام کو بھیجی اور انھیں کوفہ آنے کی دعوت دی۔ اسی بیچ یزید نے عبداللہ بن زیاد کو کوفہ کی امارت پر فائز کیا اور اس نے وہاں پہنچ کر کوفہ والوں کو بہت ڈرایا اور ورغلانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے اور حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ کو شہید کر دیا۔

ادھر یزید نے یہ سازش رچی کہ حضرت امام عالی مقام کو خفیہ طور پر مکہ میں شہید کر دیا جائے اور اس کام کے لیے اس نے عمرو بن سعید کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت امام حسین نے حالات اور وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنے حج کو عمرہ سے تبدیل فرمایا اور ۸ رذی الحجہ ۶۰ھ کو طواف وسعی کے بعد عراق جانے کے لیے مکہ سے باہر نکل آئے۔ اس وقت بہت سے لوگوں نے حضرت امام کو سفر پر نہ جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے بھی روکا تو حضرت امام نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور اب میں ان کا حکم پورا کروں گا۔ جب عبداللہ بن جعفر نے خواب کے متعلق استفسار کیا تو حضرت امام نے بتانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مجبوراً عبداللہ بن جعفر واپس لوٹ گئے اور اپنے دونوں

بیٹوں عون ومحمد کو حضرت امام عالی مقام کے ساتھ کر دیا۔حضرت امام عالی مقام مختلف مقامات مثلاً صفاح، تنعیم، ذات عرق، بطن الرمد، جز، زرود، ثعلبہ، زبالہ، بطن عقیق، منزل شراف، منزل ذوحشم اور منزل بیضہ وغیرہ میں منزل کرتے ہوئے بالآخر ۲ رمحرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو کربلا پہنچ گئے۔مکہ معظمہ سے کربلا تک کا یہ سفر بیس بائیس روز میں پورا ہوا اور راستے میں مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، قیس بن مسعر وغیرہ کی شہادت کی خبریں ملتی رہیں لیکن حضرت امام نے نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔کوفہ کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔حر بن یزید تمیمی اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ امام حسین کے قافلے کو اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔ چنانچہ ۲ رمحرم کو حضرت امام بالآخر کربلا میں فروکش ہوئے۔ ۳ رمحرم کو عمرو بن سعد چار ہزار سواروں کے ساتھ کربلا پہنچا اور حضرت امام حسین سے بات چیت شروع کی۔حضرت امام نے فرمایا کہ اہل کوفہ کے پیغامات اور خطوط پہنچنے پر میں یہاں آیا تھا مگر ان لوگوں نے غداری کی لہٰذا میں نے چاہا کہ جدھر سے آیا ہوں ادھر کو لوٹ جاؤں مگر حر بن یزید نے مجھے روک دیا اور یہاں لا کر میرے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ چنانچہ ابن سعد نے یہ کیفیت ابن زیاد کو لکھ بھیجی لیکن ابن زیاد نے بیعت یزید کے لیے اصرار کیا تو حضرت امام نے فرمایا کہ میں بیعت پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ابن زیاد، ابن سعد کے حضرت امام کے تئیں نرم رویئے کی بنیاد پر خود تیار ہوا اور اپنی فوجوں کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور حصین بن نمیر، حجاز بن ابجر، شیث بن ربعی اور شمر بن ذی الجوشن کو مزید آٹھ ہزار فوج کے ساتھ کربلا روانہ کیا۔غرض ۶ رمحرم تک فوج پر فوج آتی رہی اور کربلا اور اس کے اطراف کے میدان میں صرف فوجیں ہی فوجیں نظر آنے لگیں۔ ۷ رمحرم کو عمرو بن الحجاج کو نہر فرات پر متعین کیا گیا تاکہ حضرت امام حسین تک پانی نہ جاسکے۔عمرو بن سعد اور حضرت امام عالی مقام کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ابن زیاد نے نہایت سخت خط ابن سعد کو لکھا اور امن وصلح کے تمام اقدامات کو ختم کر کے جنگ کے لیے اکسایا۔اب امن وصلح کی ساری کوششیں ختم ہو چکی تھیں لیکن حضرت امام پہل کرنے کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ یزیدی فوجوں نے شمر ملعون کی سرکردگی میں ۹ رمحرم کو پیش قدمی کی اور حضرت عباس بن علی کو آواز دی وہ فوج سے نکل کر اس کے پاس گئے تو اس نے انھیں اور ان کے بھائیوں کو امان پیش کی۔حضرت عباس نے انکار کر دیا۔فوج قریب آچکی تھی۔حضرت امام عالی مقام نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ جا کر اس پیش قدمی کا مقصد دریافت کریں۔ چنانچہ حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ فوج کے قریب گئے اور دریافت کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ امیر کا حکم آیا ہے کہ یا تو آپ لوگ امیر کا حکم مان لیں اور بیعت کر لیں یا پھر ہم جنگ شروع کر دیں۔حضرت عباس نے واپس آکر جب صورت حال بیان کی تو حضرت امام نے پیغام بھیجا کہ ان سے کہو کہ ہمیں آج رات کی مہلت دیں۔ہم آج کی رات عبادت میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ بحث وتمحیص کے بعد رات بھر کی مہلت ملی۔غروب آفتاب کے بعد حضرت امام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور حمد ونعت کے بعد سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کل صبح دشمن ضرور جنگ کرے گا میں تم لوگوں کو آزادی اور اختیار دیتا ہوں، میری کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہوگی۔رات کا وقت ہے تم میں

سے جو چاہے چلا جائے ۔ یہ سن کر حضرت سیدنا امام عالی مقام کے تمام رفقا نے اپنی حمایت و جانثاری کا اعلان کیا اور جانے سے انکار کر دیا۔حضرت امام نے سب کو دعائیں دیں اور سبھی لوگ رات بھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز و دعا اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے ۔صبح کو سب نے حضرت امام کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی اور حضرت نے اپنے رفقا میں بیس سواروں اور چالیس پیدل افراد کو میمنہ، میسرہ اور قلب میں تقسیم کیا۔میمنہ کی قیادت زہیر بن قین، میسرہ کی قیادت حبیب بن مظاہر کے سپرد کی اور حضرت عباس بن علی کو علمدار مقرر کیا۔قلب میں حضرت امام مع اپنے اقربا کے جلوہ افروز ہوئے ،کل اکہتر بہتر نفوس پر مشتمل یہ سپاہ خیموں کے سامنے صف بستہ کھڑی ہوگئی ۔ادھر یزیدی فوج کا ٹڈی دل بھی آراستہ ہو کر صف آرا ہوا۔حضرت امام نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی پھر گھوڑے پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔وعظ ونصیحت کی، دنیا و آخرت کا فرق بیان فرمایا۔توجہ الی اللہ کی دعوت اور اپنے حسب ونسب اور فضائل بیان فرمائے ۔ پھر اتمام حجت کے لیے زہیر بن قین اور بریر بن حضیر آگے آئے اور عمر وسعد کی فوجوں کو سمجھایا بجھایا۔ حر بن یزید الریاحی متاثر ہو کر حضرت امام عالی مقام سے آملے تھے اور معافی حاصل کر چکے تھے ۔حر نے اجازت طلب کر کے دشمنوں کو للکارا، ان کے ظلم وستم پر لعنت کی، پانی بند کرنے پر شرم دلائی ۔اسی بیچ عمرو بن سعد فوج سے نکل کر سامنے آیا اور یہ کہہ کر پہلا تیر چلایا کہ گواہ رہنا سب سے پہلے میں نے تیر چلایا ہے ،اس کے بعد تیروں کی برسات ہونے لگی ۔صبح سے ظہر تک حضرت امام کے جانثاران میدان میں آتے رہے اور داد شجاعت دے کر جام شہادت پیتے رہے ۔مسلم بن عوسجہ، عبداللہ بن عمیر کلبی، حر بن یزید الریاحی، بریر بن حضیر اور دوسرے رفقاء دست بدست جنگ کرتے ہوئے شہید ہوتے رہے ۔ظہر تک ایک کے مقابلے میں ایک مجاہد آتے اور جنگ کرتے رہے ۔رفقائے امام کی حوصلہ مندی وحق پرستی کا جوش دیکھ کر دشمنوں میں بدنظمی اور خوف پھیل گیا۔تیس بتیس سوار جب سینکڑوں کے دستے پر جھپٹتے تو لشکر یزید میں تہلکہ مچ جاتا۔ظہر کے قریب عروہ بن قیس نے عمرو بن سعد کو صورت حال سے آگاہ کیا اور مزید تیر انداز متعین ہوئے ۔حصین بن نمیر نے پانچ سو تیر اندازوں کو صف آرا کر دیا۔ اسی بیچ زہیر بن قین نے دس مجاہدوں کے ساتھ ایسی دلیری سے حملہ کیا کہ شمر ذی الجوشن کے دستہ کا پاؤں اکھڑ گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔اس حملے میں تقریباً پچاس رفقائے امام نے جام شہادت نوش کیا۔

حملۂ اول کے بعد شمر نے خیموں کو گرانے اور جلانے کا منصوبہ بنا کر پیش قدمی کی ۔حضرت امام حسین نے بڑھ کر شمر کو تنبیہ کی اس پر یزیدی فوج نے لعنت وملامت کی اور بات ٹل گئی ۔نماز کا وقت ہو چکا تھا ابو ثمامہ انصاری نے حضرت امام سے عرض کی کہ جی چاہتا ہے کہ آخری نماز حضرت کی اقتدا میں پڑھوں ۔امام نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نماز گزاروں میں محسوب فرمائے ۔وقت ہو چکا ہے اگر یہ لوگ مہلت دے دیں تو اچھا ہے ۔ پھر حضرت امام نے نماز ظہر ادا کی ۔زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ آگے کھڑے تیر روکتے رہے ۔ادھر امام کی نماز پوری ہوئی ادھر سعید بن عبداللہ نے جام شہادت نوش کیا۔ پھر حبیب بن مظاہر، زہیر بن قین، نافع بن ہلال اور عابس بن شبیب نے بھی حضرت امام کی طرف سے زبردست جوہر دکھا کر شہادت کا

جام نوش کیا۔اس کے بعد اقربا اور بنی ہاشم نے میدان کارزار گرم کیا،علی اکبر سے لے کر علی اصغر تک سب نے جام شہادت نوش فرمایا۔ پھر آخر کار وہ وقت آ گیا جب دوش نبوت کا سوار خود میدان کارزار کا رخ کرے ۔ چنانچہ حضرت امام خیمے میں تشریف لائے ۔ایک بوسیدہ لباس زیب تن فرمایا۔عزیز وانصار کی خواتین کو الوداع کہا اور میدان میں تشریف لے آئے ۔ ہر طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی ۔حضرت امام خون میں نہا گئے مگر اب بھی یہ عالم تھا کہ سامنے آتے ہوئے دشمن لرزہ براندام تھا۔امام نے دوبارہ حملہ کیا تو نہر فرات تک پہنچ گئے ۔اس وقت حصین بن نمیر نے ایک تیر مارا جس سے حضرت امام کے دہان مبارک سے خون جاری ہوگیا۔اسی اثنا میں یزیدیوں کا ایک دستہ خیموں کی طرف بڑھا تو شمر نے پکار کر کہا کہ خیموں میں آگ لگا دو۔ حضرت امام نے ان ظالموں کو شیر کی طرح للکارا۔دشمن پلٹ آئے اور حضرت امام کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔اس وقت حضرت امام نے پھر مختصر تقریر فرمائی ۔عصر کا وقت تھا،حضرت امام یاد حق میں مصروف تھے،جسم مبارک تیروں اور نیزوں کے زخموں سے چور تھا پھر بھی دشمن خوفزدہ تھے ۔آخر شمر لعین نے شہہ دی اور مالک بن نسر، زرعہ بن شریک اور سنان بن انس نے باری باری نیزہ وتلوار سے وار کیا۔جسم مبارک زمین پر آ رہا اور شمر ملعون نے سر تن سے جدا کر دیا۔حضرت امام کی شہادت کے بعد خیمے لوٹے اور جلائے گئے،اہل بیت اسیر ہوئے اور شہدا کے سر اہل حرم کے ساتھ کوفہ سے شام بھیجے گئے ۔ پھر اہل بیت امام پر دوران سفر اور شام میں جو کچھ گزری اس کے بیان کا یہ محل نہیں ہے اور آگے کے واقعات کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے ۔

دل کی خواہش تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذکر مبارک کے ضمن میں سانحۂ کربلا کا ایک مختصر خاکہ کھینچا جائے کہ شاید یہی راقم کی مغفرت کا سبب ہو جائے ۔

ہم لوگ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے مواجہہ شریف میں کھڑے تھے ۔حضرت مرشدی مدظلہ نے یہاں بھی پیش کرنے کے لیے خانوادہ کا مخصوص سلام عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ سلام بارگاہ امام میں پیش کیا گیا پھر حضور محی الملۃ والدین حضرت مولانا سید شاہ محمد محی الدین قادری قدس سرہ العزیز کا منظوم سلام پیش کیا گیا جو اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

حسین سید اھل جنان سلام علیک ❁ ملیک ملک ولایت نشان سلام علیک
امام بارگہ عرشیان سلام علیک ❁ نظام کارگہ فرشیان سلام علیک....
....نضارت دل زھرا،توان جان عالی ❁ گل شمیم شہ مرسلان سلام علیک

پھر حضرت سیدی و مرشدی مولانا شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ نے فرمایا کہ یہیں قل شریف پڑھ لیا جائے ۔ چنانچہ راقم نے اور حضرت مرشدی مدظلہ نے خانقاہ مجیبیہ کی روش کے مطابق قل کی متعینہ سورتیں اور درود وہیں مواجہہ امام میں کھڑے ہوئے پست آواز میں پڑھیں اور چونکہ رات کے تقریباً دس بج چکے تھے اس لیے ہم لوگ حضرت امام عالی مقام کی بارگاہ کی اس حاضری کے بعد ہوٹل واپس چلے آئے اور نماز عشاء وکھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگوں نے آرام کیا۔

۱۸؍جولائی ۲۰۱۹ء کو صبح میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ پھر حاضری کے لیے نکلے اور سب سے پہلے حضرت سیدنا ابی الفضل عباس بن علی رضی اللہ عنہما کے روضے پر پہنچے۔ حضرت عباس علمدار کا روضہ بھی نہایت پرشکوہ، دیدہ زیب اور بہترین معماری کا نمونہ ہے۔ روضۂ مبارک کے ہر چہار طرف "السلام علیك یا قمر بنی الهاشم" کا بڑا بڑا بورڈ لگا ہوا تھا۔ نیز داخلی دروازے پر جلی حروف میں "السلام علیك یا عطاشیٰ کربلا" بھی مرقوم ہے۔ ہم لوگوں نے داخلی دروازہ کے پاس بنے ہوئے امانتی گھر میں اپنے جوتے چپل اور موبائل جمع کیے اور اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک مرصع ومزین صحن میں ہمارا ورود ہوا۔ صحن عبور کر کے ہم لوگ ضریح مبارک کے حجرے میں پہنچے۔ بہترین مینا کاری و کاشیکاری سے مزین اس حجرہ میں صرف حضرت سیدنا عباس علمدار کی ضریح ہے۔ سلام اور فاتحہ خوانی کا اطمینان سے موقع ملا پھر ہم لوگ وہاں سے نکل کر قریب ہی کچھ دیر تک بیٹھ کر تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے۔

حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما :

حضرت عباس بن علی بن ابی طالب، حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے عظیم جانثاروں اور کربلا کے بلند نام مجاہدوں میں ہیں، معرکۂ کربلا میں ان کی عالی شخصیت شجاعت و بہادری اور وفاداری وخدمت گزاری کی بہترین علامت ہے۔ ۱۰؍محرم ۶۱ھ کو جب حضرت سیدنا امام عالی مقام نے کربلا میں دشمنوں کے لشکر جرار کے مقابلے میں جانثاروں کی اپنی مختصر سی فوج کی دستہ بندی کی تو میمنہ زہیر بن قین اور میسرہ حبیب بن مظاہر کو سونپا اور فوج کا بڑا علم اپنے جانباز اور شجیع بھائی حضرت عباس کے سپرد فرمایا اور اس لیے حضرت عباس، علمدار کے لقب سے مشہور ہوئے۔

بعض مآخذ کے اعتبار سے معرکۂ کربلا کے وقت حضرت عباس کی عمر مبارک چونتیس سال تھی۔ اس طرح ۲۶ھ حضرت عباس کا سال ولادت قرار پاتا ہے۔ حضرت عباس، حضرت مولائے کائنات سیدنا علی علیہ السلام کے صاحبزادے، خواجہ ابوطالب کے پوتے اور حضرت عبدالمطلب کے پر پوتے ہیں۔ ان کی والدہ ام البنین فاطمہ بنت حزام ہیں جن کے بطن سے حضرت عباس کے علاوہ عبداللہ، عثمان اور جعفر، چار اولادیں حضرت علی علیہ السلام کی ہوئیں۔ حضرت عباس ان میں سب سے بڑے تھے اور حسن و جمال میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے اسی لیے قمر بنی الہاشم کہے جاتے ہیں۔ حضرت عباس چودہ سال تک اپنے والد مکرم کے زیر سایہ رہے اور جنگ جمل میں مدینہ سے بصرہ اور پھر کوفہ گئے۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت عباس اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے قوت بازو اور حمایتی رہے اور امام حسن کی شہادت ۵۰ھ کے بعد حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے معاون ومددگار رہے۔

حضرت عباس علمدار کا نکاح خاندان کی ہی ایک معزز خاتون لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوا اور ان سے کئی فرزند تولد ہوئے۔ حضرت عباس فضل وشرف، حسب ونسب، زہد وتقوی اور سخاوت وشجاعت میں بے مثال تھے۔

ظاہری حسن و وجاہت سے بھی حصہ وافرہ پایا تھا۔نہایت قد آور، تنومند، شجیع و بہادر، متحمل مزاج اور بردبار تھے۔دو رکاب والے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اس کے باوجود پاؤں سے زمین پر لکیریں پڑ جاتی تھیں۔چنانچہ مقاتل الطالبین کے الفاظ میں:

"وکان رجلاً وسیماً جمیلا، یرکب الفرس المطھم ورجلاہ یخطان فی الارض"

حضرت عباس اپنے بڑے بھائیوں کا بہت ادب کرتے تھے اور وہ لوگ بھی ان سے غیر معمولی محبت فرماتے تھے۔ حضرت عباس کی فداکاری و جانثاری کی ہی وجہ سے حضرت امام نے کربلا کے سفر میں انھیں اپنے ساتھ رکھا اور وہ ہر ہر قدم پر حضرت امام کے ممد و معاون رہے۔اس سفر کربلا میں حضرت عباس نے اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لیا تاکہ انھیں بھی امام پر قربان کر دیں۔جب معرکۂ کربلا میں عبداللہ بن ابی المحل بن حزام نے عبیداللہ بن زیاد سے اپنی پھوپھی یعنی فاطمہ بنت حزام کی اولاد کے لیے امان نامہ لکھوا کر کربلا بھیجا اور شمر نے حضرت عباس کو امان پیش کی تو حضرت عباس نے یہ کہہ کر اس کی پیش کش ٹھکرا دی کہ ماموں سے سلام کہنا اور کہنا کہ ہمیں تمہاری امان کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کی امان ابن سمیہ کی امان سے بہتر ہے۔ چنانچہ طبری کے الفاظ یوں ہیں:

"اقری خالنا السلام وقل لہ ان لا حاجۃ لنا فی امانکم، امان اللہ خیر من امان ابن سمیۃ"

جیسا کہ قبلاً ذکر کیا گیا، عاشورا کی صبح کو حضرت امام نے اپنے لشکر کا علم حضرت عباس کو عطا فرمایا اور وہ معرکہ کربلا کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔جنگ شروع ہوئی تو حضرت عباس اپنے اصحاب و انصار کی کمک کے لیے میدان میں موجود تھے۔اور جب انصار یکے بعد دیگرے شہید ہو چکے تو حضرت عباس نے اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں عبداللہ، عثمان اور جعفر کو ایک کے بعد ایک میدان کارزار میں بھیجا اور تینوں نے داد شجاعت دیتے ہوئے حضرت امام حسین پر اپنی جانیں نثار کر دیں اور شہادت کا شرف حاصل کیا۔تب حضرت عباس نے جہاد کی اجازت طلب کی۔حضرت امام نے بڑی حسرت سے فرمایا تم میرے علمدار ہو۔ انھوں نے عرض کیا اب مجھ میں تاب برداشت نہیں ہے، زندگی بوجھ ہے۔حضرت امام نے فرمایا اچھا جانے سے پہلے پانی کا انتظام کرتے جاؤ۔چنانچہ حضرت عباس نے مشک لی اور فرات کی طرف روانہ ہوئے۔شامی فوج نے راستہ روکا۔حضرت عباس نے نہایت جانبازی اور دلیری کے ساتھ دشمنوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے نہر تک رسائی حاصل کی۔مشک میں پانی بھرا اور چلّو میں لے کر پینا چاہا مگر حضرت امام اور بچوں کی پیاس یاد آ گئی چنانچہ وہ پانی پھینک دیا۔علم اور مشک لے کر رجز پڑھتے ہوئے دلیرانہ آگے بڑھے۔دشمنوں کو سامنے آنے کی تاب نہ تھی چنانچہ حکیم ابن طفیل السنسی نے آڑ سے داہنے ہاتھ پر تلوار کا وار کیا اور حضرت عباس کا دایاں بازو شہید ہو گیا۔حضرت عباس نے فوراً جھنڈا سنبھالا اور دشمن کی طرف جھپٹے اور پیچھے ڈھکیل دیا۔اسی بیچ زید بن ورقاء الجہنی یا حکیم ابن طفیل نے درخت کی آڑ سے بائیں بازو پر تلوار سے حملہ کر دیا۔حضرت عباس گھوڑے سے گر پڑے اور حضرت امام کو آواز دی اور جام شہادت نوش فرمایا۔حضرت امام نے عباس کی آواز سن کر فرمایا اب میری کمر ٹوٹ گئی اور تدبیر ختم ہو گئی۔

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے مرقد مطہر کی زیارت کے بعد ہم لوگ پھر حرم حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف چلے اور حضرت امام کی بارگاہ عالی میں سلام و نیاز کی نذر کے بعد حضرت حبیب بن مظاہر اور ابراہیم المجاب کے مزارات پر حاضر ہوئے جو حرم امام عالی مقام میں ضریح حضرت امام سے کچھ فاصلے پر بالترتیب جنوب-مغرب اور شمال-مغرب کے گوشوں میں مرجع خلائق ہیں۔

حضرت حبیب بن مظاہر اسدی رحمۃ اللہ علیہ :

حضرت حبیب بن مظاہر اسدی کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ آپ اہل کوفہ سے ہیں اور حضرت مولائے کائنات علی، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے اصحاب سے ہیں۔ حضرت حبیب بن مظاہر ان کوفیوں میں ہیں جنھوں نے حضرت معاویہ کی وفات کے بعد حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کے لیے خط لکھا۔ جب حضرت حبیب بن مظاہر نے اہل کوفہ کی بیعت شکنی اور بے وفائی دیکھی تو وہ پوشیدہ طور پر کوفہ سے نکل کر حضرت سیدنا امام حسین سے جا ملے اور ۶۱ھ میں عاشورا کے روز حضرت امام حسین کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت حبیب بن مظاہر کی کنیت ابوالقاسم تھی اور بہت زیادہ عابد و زاہد اور تقوی شعار تھے۔ حبیب بن مظاہر حافظ قرآن تھے اور حضرت امام حسین کے ارشاد کے مطابق ہر رات ایک ختم قرآن کرتے تھے۔ ان کی زندگی بہت پاکیزہ اور سادہ تھی۔ یہ متیقن اور محقق نہیں ہے کہ حضرت حبیب بن مظاہر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ تابعین میں سے تھے۔ ابن کلبی اور ابن حجر عسقلانی نے انھیں صحابی رسول میں شمار کیا ہے لیکن صاحبان الاستیعاب اور اسد الغابہ نے انھیں صحابی نہیں شمار کیا ہے۔

حضرت حبیب بن مظاہر، حضرت مولائے کائنات علیہ السلام کے ساتھ کوفہ گئے تھے اور ان کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔ حضرت معاویہ کی وفات کے بعد ۶۰ھ میں انھوں نے یزید کی بیعت سے کاملاً اجتناب کیا اور حضرت امام حسین کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو ان کا پرزور استقبال کیا۔ جب کوفہ میں ابن زیاد کی ماموریت کے بعد کوفہ کے احوال متغیر ہوئے اور کوفیوں نے بے وفائی کی تو حضرت حبیب بن مظاہر اور حضرت مسلم بن عوسجہ کو بنو اسد نے پوشیدہ کر دیا اور بالآخر وہ کوفہ سے نکل گئے۔ دن کو جاسوسوں سے بچنے کے لیے حضر کرتے اور رات کے اندھیرے میں سفر کرتے، یہاں تک کہ ۷ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں حضرت امام عالی مقام سے جا ملے۔ جب حضرت امام کے رفقا کی قلیل تعداد حضرت حبیب نے دیکھی تو حضرت امام سے اجازت لے کر اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور انھیں حضرت امام کی ہمنوائی کے لیے تشویق دلائی لیکن عمرو بن سعد کے سپاہیوں نے جبراً بنو اسد کو اس سے باز رکھا۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ یوم عاشورا کو جب حضرت امام عالی مقام نے اپنی مختصر یعنی بہتر نفوس قدسی پر مشتمل فوج کی دستہ بندی کی تو میسرہ کی کمان حضرت حبیب بن مظاہر کو سونپی۔ اشقیاء سے جنگ کے دوران جب حضرت امام حسین نماز ظہر کے لیے آمادہ ہوئے تو حصین بن نمیر نے حملہ کر دیا۔

حضرت حبیب بن مظاہر نے اس کا مقابلہ کیا۔اسی بیچ ایک دشمن نے نیزہ مار کر انھیں گرادیا اور لشکر یزید کے ایک دوسرے جفا کار نے حضرت حبیب کا سر قلم کر دیا اور انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا۔

سید ابراہیم المجاب :

سید ابراہیم مجاب امام زادہ محمد عابد کے صاحبزادہ اور حضرت امام موسی کاظم کے پوتے ہیں۔ابراہیم مجاب ''ضریر کوفی'' کے نام سے بھی معروف ہیں۔ابراہیم مجاب نے متوکل عباسی کی وفات ۲۴۷ھ کے بعد کوفہ سے کربلا ہجرت کی اور وہ پہلے فاطمی سید ہیں جنھوں نے کربلا میں سکونت اختیار کی۔سید ابراہیم کے لقب ''مجاب'' کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حرم امام حسین میں مزار امام پر حاضر ہوئے تو اس طرح سلام کیا ''السلام علیك یا جداہ '' تو حضرت امام عالی مقام کی قبر سے جواب آیا وعلیك السلام یا ولدی .اسی لیے سید ابراہیم مجاب کے لقب سے مشہور ہوئے اور چونکہ وہ آخر عمر میں نابینا اور معذور ہو گئے تھے اس لیے ضریر و مکفوف بھی کہے جاتے ہیں۔

سید ابراہیم مجاب کی قبر حرم مطہر امام حسین کے ایک صحن میں تھی اور اس حصے کا نام مقام علویین تھا لیکن جب حرم امام عالی مقام کی توسیع کی گئی تو اب وہ قبر داخل حرم ہوگئی ہے اور شمال غربی حصہ میں موجود ہے۔ابراہیم مجاب کی ولادت وغیرہ سے متعلق اطلاعات دستیاب نہیں ہیں۔

المذبح المقدس :

المذبح المقدس یا قتل گاہ مقدس وہ مقام ہے جہاں حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔یہ مذبح مقدس حرم امام عالی مقام کے مغربی حصہ میں چاندی کی جالیوں سے گھرا ہوا ایک مقام ہے جس کو قتل گاہ کی نسبت کی وجہ سے سرخ لائٹوں سے مزین کیا گیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت امام کے سر مبارک کو جسم اطہر سے جدا کیا گیا اور یہاں پر جالیوں سے اوپر جلی حروف میں ''السلام علی المقتول الوتین'' تحریر ہے۔یہ قتل گاہ میدان کربلا کا نشیبی حصہ تھا۔اس قتل گاہ کو مقتل، محل النحر، منحر اور مذبح بھی کہتے ہیں۔یہ مقام ایک تہہ خانہ کی طرح ہے جس میں اترنے کے تقریباً دس زینے ہیں اور سطح زمین سے نصف میٹر اوپر سنگ مرمر کی ایک قبر کی طرح بنا ہوا ہے۔یہ ایک نو میٹر کا کمرہ ہے جس کی چھت اور دیواروں پر کاشی کاری اور مینا کاری کی ہوئی ہے۔

تل زینبیہ :

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے مقتل سے بلند ایک مقام ہے جو حرم امام سے تقریباً ۳۵ میٹر کے فاصلے پر حرم کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور سطح زمین حرم سے ۵ میٹر بلند ہے۔روایات کے اعتبار سے یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سیدہ زینب کبری اپنے بھائی حضرت امام حسین کی دوران جنگ خبر گیری کے لیے چڑھی تھیں۔سرزمین کربلا ناہموار اور نشیب و فراز

اور چھوٹے چھوٹے ٹیلوں سے پر مقام تھا اور یہ ٹیلہ مقام نبرد اور خیمہ گاہ حسینی کے درمیان واقع ہے۔لغوی اعتبار سے تل کے معنی ریت اور مٹی کے ٹیلے کے ہوتے ہیں۔

پھر ہم لوگ تل زینبیہ سے کچھ فاصلے پر واقع خیمہ گاہ حسینی کی زیارت کے لیے چل پڑے۔عصر کا آخری وقت تھا۔ ہم لوگوں کے پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہوگیا۔چنانچہ ہم لوگوں نے وہیں خیمہ گاہ کی مسجد میں انفرادی طور پر نماز مغرب ادا کی اور قابل دید مقامات کی زیارت کی۔

مخیم یا خیمہ گاہ حسینی :

مخیم یا خیمہ گاہ حسینی یا خیمہ گاہ کربلا وہ مقام ہے جہاں کربلا پہنچنے کے بعد حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام اپنے اہل بیت اور رفقاء کے ساتھ فروکش ہوئے۔یہ مقام فرات سے کچھ فاصلہ پر شمال شرقی تا جنوب غربی ٹیلوں کے ایک سلسلے سے گھرا ہوا تھا۔اس مقام کی ہیئت ایک نیم دائرہ یا گھوڑے کی نال کے مانند تھی جہاں حضرت امام نے پڑاؤ ڈالا۔یہ علاقہ میدان جنگ یا جہاں ابھی حرم امام ہے وہاں سے تین سو میٹر کے فاصلہ پر تھا اور اتنی دور تھا کہ دشمن فوج کے تیر وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن کوفیوں کی فوج کے زیر محاصرہ تھا۔

چنانچہ جب حضرت سیدنا امام عالی مقام اس جگہ پر فروکش ہوئے تو وہاں ایک تخمینے کے مطابق ساٹھ خیمے نصب کیے گئے اور ہر ایک خیمہ کے درمیان تقریباً دو میٹر کا فاصلہ تھا۔ان خیموں میں سے کچھ پانی و رسد اور ضروریات وحوائج کے لیے مخصوص تھے اور بقیہ نفوس قافلہ کے آرام وقیام کے لیے مختص تھے۔سب سے پہلے حضرت امام کا خیمہ نصب کیا گیا جو بالکل وسط میں تھا اور بڑا تھا کیوں کہ اسی میں حضرت امام اپنے رفقا کو صلاح ومشورہ کے لیے جمع فرماتے تھے۔حضرت سیدہ زینب کبریٰ کا خیمہ حضرت امام عالی مقام کے خیمے کے بالکل پشت پر تھا اور جوانان بنی ہاشم کے خیمے خانوادۂ ذیشان کی خواتین اور بچوں کے خیموں کے گرداگرد تھے،جب کہ دوسرے رفقا کے خیمے اہل بیت اور بنی ہاشم کے خیموں سے الگ کچھ فاصلے پر تھے۔ خیموں کو گھوڑے کے نعل کی شکل میں اس طرح نصیب کیا گیا تھا کہ سب ایک دوسرے سے متصل اور پیوستہ تھے،بکھرے ہوئے نہ تھے اور خیموں کی پشت پر خندقیں کھودی گئی تھیں تاکہ دشمنوں کے یلغار وہجوم سے حفاظت رہ سکے۔مآخذ کے اعتبار سے عاشورا کے دن خیام کربلا کی ترتیب حسب ذیل تھی:

(۱) خیمہ فرماندہی یعنی صدور احکام کا خیمہ (۲) خیمہ امداد گران یعنی زخمیوں کے معالجے کا خیمہ (۳) خیمہ سقاخانہ و آب رسانی (۴) خیمہ شہدا (۵) خیمہ انبار یعنی رسد کا خیمہ (۶) خیمہ نظافت و پاکیزگی یعنی حوائج وضروریات کا خیمہ (۷) خیمہ سنگری یعنی قلعہ نظامی یا چھاؤنی (۸) خیمہ حضرت زین العابدین سجاد (۹) رفقا کے خیمے (۱۰) جوانان بنو ہاشم کے خیمے (۱۱) خواتین اور بچوں کے خیمے اور (۱۲) حضرت زینب کبریٰ کا خیمہ۔

خیمہ گاہ، حرم حضرت امام کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور زیارت کا مقام ہے ۔ یہ منطقہ محلہ آل عیسی کے نام سے معروف رہا ہے ۔ موجودہ تعمیر کے اعتبار سے خیمہ گاہ دو ہزار مربع میٹر کے محوطہ میں ہے جس کے دروازہ ورودی کے قریب ہی حضرت سیدنا ابی الفضل عباس کے خیمے کا مقام ہے ۔ اندر وسیع وعریض مدور ہال میں داخل ہوتے ہی داہنی طرف حضرت قاسم بن امام حسن کے خیمے کی جگہ ہے پھر حضرت سیدنا امام حسین کے خیمے کا مقام ہے اور وہیں پر محراب امام بھی ہے، اس کی پشت پر یعنی جنوب میں حضرت زینب کے خیمے کا مقام ہے اور بالکل جنوب میں حضرت زینب کے خیمے کی پشت پر حضرت امام زین العابدین کے خیمے کا مقام ہے ۔ خیمے کے یہ تمام مقام نقرئی جالیوں سے گھرے ہوئے ہیں اور ہر ضریح پر صاحب خیمہ کا نام تحریر ہے ۔ خیمہ گاہ کے دروازہ ورودی پر سنگ مرمر پر یہ اشعار کندہ ہیں:

یا زائرا خیم الحسین بکربلا طف فی جوانبها مع ساجم
فاذا وصلت الی خیام بنی الهدی اهل الفضائل مع سلاله هاشم
واذکر ابا الفضل المضرج بالدماو علی اکبر ثم القاسم
واذکر حسین السبط لما قد هوی فوق الصعید ولا یری من راحم

مقام سقوط بازوان ابی الفضل عباس رضی اللہ عنہ :

حضرت ابی الفضل عباس علمدار امام عالی مقام تھے ۔ عاشورا کے روز جب جنگ ٹالنے کی حضرت امام عالی مقام کی کوششیں بار آور نہ ہوسکیں اور بالآخر اشقیاء کی کثیر فوجوں نے امام عالی مقام کی مختصر اور محض بہتر نفوس پر مشتمل فوج کے خلاف آغاز جنگ کر دیا تو حضرت امام عالی مقام کی طرف سے پہلے ان کے انصاروں نے مورچہ سنبھالا اور جب ایک ایک کر کے سب نے جام شہادت نوش کر لیا تو اب جوانان بنو ہاشم نے میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھانے شروع کیے ۔ چنانچہ حضرت عباس نے پہلے اپنے چھوٹے بھائیوں عبداللہ، عثمان اور جعفر کو یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں بھیجا جنھوں نے نہایت شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اشقیا کو واصل جہنم کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ۔ اپنے بھائیوں کی شہادت کے بعد حضرت عباس علمدار نے رن میں جانے کی امام عالی مقام سے اجازت طلب کی تو حضرت امام نے ان پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ تم میرے علمدار ہو ۔ حضرت عباس نے جواب دیا اب مجھے برداشت کی تاب نہیں ہے اور زندگی گراں معلوم ہوتی ہے ۔ تو حضرت امام نے فرمایا کہ اچھا جانے سے پہلے پانی کا انتظام کرتے جاؤ ۔ چنانچہ حضرت عباس نے خشک پڑی مشک اٹھائی اور رجز پڑھتے ہوئے دریائے فرات کی طرف روانہ ہوئے ۔ راستے میں ملعون شامی فوج حائل ہوئی لیکن حضرت عباس سب کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے فرات کے کنارے پہنچ گئے اور مشک پانی سے بھرا ۔ تشنگی کے غلبے نے پانی پینے کے لیے اکسایا ۔ چلّو میں پانی لیا لیکن پھر عورتوں اور بچوں کی پیاس یاد آ گئی اور پانی پھینک دیا اور علم و مشک لے کر رجز پڑھتے ہوئے خیمے کی طرف روانہ ہوئے ۔ دشمنوں کو سامنے سے مدافعت کی ہمت نہ تھی چنانچہ حکیم ابن طفیل نے آڑ سے داہنے ہاتھ پر وار کر کے دست مبارک کو شہید کر دیا ۔

جس مقام پر داہنا ہاتھ جسم مبارک سے جدا ہوا، اس مقام کو مقام زیارت کے بطور محفوظ کیا گیا ہے اور مقام دست راست سے موسوم ہے۔ یہ جگہ دروازۂ بغداد کے شمال مشرق میں باب بغداد اور باب الخان کے درمیان اور حضرت عباس کے روضۂ مبارک کے مشرقی صحن کے نزدیک واقع ہے اور وہاں ایک چھوٹی ضریح نصب ہے اور اس پر "ھذا مقام کف العباس" لکھا ہوا ہے اور اس پر حضرت عباس کا قطع شدہ دست مبارک بھی موسوم ہے اور اس ہاتھ کے گرداگرد درخت وغیرہ منقش ہیں۔ اور آیت کریمہ "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا" کندہ ہے۔ یہ مقام تانبے کی جالیوں سے گھرا ہوا ہے۔

داہنے ہاتھ کے جسم سے جدا ہو جانے کے باوجود حضرت عباس کی ہمت وشجاعت میں کوئی کمی نہیں آئی اور فوراً علم حسینی کو سنبھال کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور پیچھے ڈھکیل دیا اسی بیچ زید بن ورقا الجہنی یا حکیم ابن طفیل نے درختوں کی آڑ سے بائیں ہاتھ پر وار کیا اور اسے بھی جسم مبارک سے جدا کر دیا۔

جس مقام پر بایاں ہاتھ جسم سے جدا ہوا اسے "مقام دست چپ" سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ جگہ روضۂ حضرت عباس سے کچھ دور جنوب مشرق میں بازار کے اندر واقع ہے اور "باب الخان" میں ہے۔ یہ جگہ ایک قدآدم سے بلند مینارہ کی شکل میں تانبے کی جالیوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس مینارہ نما مقام پر بھی آیات قرآنی کندہ ہیں۔ اس ہشت پہلو مینارہ کے اوپر ایک سبز گنبد ہے جس کے پائین میں "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ" کندہ ہے۔ اور سامنے کی طرف "السلام علیك یا حامل لواء الطف" اور اس کے نیچے کی سطر میں "مقام سقوط الکف الایسر لابی الفضل العباس" مرقوم ہے۔ داہنی طرف کے پہلو پر آیت قرآنی "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. صدق اللہ العظیم ." بھی سنگ مرمر پر کندہ ہے اور بائیں طرف کے پہلو پر اس مقام کی تعمیر کا سال ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء اور دوسری اطلاعات مرقوم ہیں۔ اس ہشت پہلو مقام میں چار کھڑکیاں اور پیتل کا چھوٹا دروازہ ہے۔

مذکورہ بالا مقامات کی زیارت کرتے کرتے عشاء کا وقت ہو چکا تھا لہٰذا ہم لوگ ہوٹل آل یاسین لوٹ آئے اور نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھا کر آرام کیا۔

—(جاری)

****

قونیہ کا سفر اور مولانا روم کی تربت پر حاضری

● طلحہ نعمت ندوی ــــ استھاواں، بہار شریف

تین سال قبل جب راقم کو فضلائے ندوہ کی جماعت کی ہم رکابی میں سفر ترکی کا موقع ملا تھا تو اس سفر میں استنبول کے ساتھ دیگر شہروں کی سیاحت کا بھی اتفاق ہوا، ترکی جا کر مولانا روم کی تربت پر حاضری کا شوق علوم اسلامیہ اور تاریخ تصوف کے طالب علم کے لیے ایک فطری امر ہے، ہماری بھی آرزو یہی تھی، لیکن ہمارے اصل مستقر شہر استنبول سے مولانا کا شہر قونیہ تقریباً ایک ہزار کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا، میز بانوں سے اس کے لئے اصرار کرنا بھی مناسب نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے دل کی صدا سن لی اور خود میز بانوں کی طرف سے اس سفر کا نظام بنا دیا گیا، راقم نے یوں تو پورے سفر کی روداد عربی میں قلمبند کی تھی جو اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے، لیکن قونیہ کے سفر، اس کے مشاہدات اور حضرت مولانا روم کی خدمت میں حاضری کا حال اردو میں بھی لکھا تھا، جو اس وقت مرتب کر کے اخبارات میں بھی بھیج دیا گیا تھا، لیکن شائع نہیں ہوسکا، اب المجیب کے ذریعہ اس سفر کی روداد قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، اس ادارہ اور اس مجلہ سے زیادہ اس مضمون کے لیے اور کون سا مجلہ مناسب ہوگا؟

ہم لوگ علی الصباح استنبول سے چھوٹی بس میں روانہ ہوئے جس کا نظم ہمارے میز بانوں نے ہمارے لئے کیا تھا، اور دو پہر تک وہاں پہنچ گئے، ایک ہزار کا طویل فاصلہ اتنے کم وقت میں طے کر لینا تو دشوار تر ہے لیکن ترکی جیسے ترقی یافتہ ملک میں کوئی بڑی بات نہیں، بیچ میں ملک کا دار الحکومت انقرہ آیا، اس سے کچھ آگے بڑھ کر ہم نے سستانے کے لئے گاڑی روکی اور نیچے اترے، ہوا بہت سرد محسوس ہوئی، جب کہ استنبول میں اس کا اثر بھی نہیں تھا۔

ہم لوگ وہاں پہنچ کر اپنے میز بان کے متعین کردہ قیام گاہ میں پہنچے، جو آبادی کے ہنگاموں سے دور ایک پرسکون اور پر فضا مقام پر تھا، وہاں عصر تک آرام کیا، بعد نماز عصر شہر کی سرسری سیر کے لئے میز بانوں کے ساتھ نکلے، میز بان نے بس کے اندر ہی سے شہر کے اہم مقامات کی نشاندہی کی، اور پورے شہر کی اجمالی سیر کرائی، اور اخیر میں ایک پہاڑی راستہ کی سب سے اونچی سطح پر لے گئے، یہاں اتر کر دیکھا تو بیک نظر پورا شہر سامنے تھا، مسجدوں کے مینارے جا بجا اس منظر کی رونق کو دوبالا کر رہے تھے، بڑا حسین منظر تھا۔

قونیہ بہت قدیم شہر ہے، اور استنبول وانقرہ کی سی ہنگامی کیفیت بھی نہیں ہے، رقبہ میں ترکی کا سب سے بڑا شہر ہے، قیمتیں بھی نسبتا بہتر ہیں، اس لئے متوسط طبقہ یہاں کی سکونت کو ترجیح دیتا ہے۔ شہر قونیہ ترکی کے ایشیائی حصہ میں پڑتا ہے اس لئے وہاں یورپ کے بجائے ایشیائی تمدن غالب نظر آیا، خواتین میں حجاب کا اہتمام بھی استنبول کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے بلکہ بے پردگی اور استنبول جیسی اباحیت شاید ہی نظر آتی ہے۔ کھانے اور رہن سہن میں مشرقی طرز عام ہے اور استنبول سے مختلف بھی۔ یہاں نجم الدین اربکان یونیورسٹی، سلجوق یونیورسٹی اور حضرت مولانا روم کی نسبت سے مولانا ٹیکنیکل یونیورسٹی قابل ذکر ہیں، ان یونیورسٹیوں کے متعدد طلباء سے مختلف مواقع پر ملاقات ہوئی۔ حضرت روم کے لیے صرف مولانا کا لفظ استعمال ہوتا ہے، علاقہ کی طرف اشارہ بھی اسی نام سے کیا جاتا ہے، اسی نام کا سائن بورڈ ہر جگہ نظر آئے گا، اور یونیورسٹی بھی اسی نام سے ہے۔ اس اجمالی سیر کے بعد ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آگئے کیوں کہ اصل سیاحت کا پروگرام اگلے دن طے ہوا تھا۔

حسب سابق اگلے دن ہم لوگ سیاحت کے لئے نکلے، سب سے پہلے حضرت شمس تبریزی کے مزار پر حاضری ہوئی، ایک چھوٹی سی مسجد کے ایک گوشہ میں حضرت شمس آرام فرما ہیں، اس حصہ کو جالیوں سے گھیر دیا گیا ہے۔ یہ وہی شمس تبریزی ہیں جن کے بارے خود مولانا روم جیسی عظیم المرتب شخصیت کو اعتراف ہے کہ:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

انہی کی غلامی نے ان کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی، جس کی بنا پر وہ مخدوم امت بنے، اور ان کی مثنوی میں وہ تاثیر پیدا ہوئی کہ آج بھی صدیاں گذرنے کے باوجود اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے۔

ترکی میں مقبروں میں جو خاص بات نظر آئی وہ یہ کہ ہر قبر پر کتبہ ضرور ہوتا ہے، ہمارے ملک میں تو عام طور پر اہل تشیع کے یہاں اس کا التزام اس قدر ہے کہ کسی مقبرہ میں ہر قبر پر کتبہ ہونا عام طور پر شیعہ قبرستان کی علامت سمجھا جاتا ہے لیکن وہاں ہر قبر پر کتبہ دیکھا، عثمانی دور کے کتبات عام طور پر عثمانی ترکی رسم الخط میں ہیں اور رسم الخط کی تبدیلی کے بعد لاطینی رسم الخط میں۔ نیز علماء کی قبروں پر اکثر رمز کے لیے سر کی جانب ایک سیدھی لکڑی پر عمامہ لپیٹا ہوا ہوتا ہے جب کہ سلاطین کی قبروں کے سرہانے تاج کی علامت بنی ہوتی ہے۔ حضرت شمس تبریزی اور مولانا روم کی قبر پر بھی عمامہ بندھا ہے۔ اس چھوٹی سی مسجد میں ہم نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کر کے حضرت شمس کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ مسجد سے نکلے تو ایک پاکستانی مسافر سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ یہاں حضرت روم وحضرت شمس کی زیارت ہی کے لیے آیا ہے، یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ پاکستان وبنگلہ دیش سے بھی زائرین کی آمد کا سلسلہ مستقل لگا رہتا ہے۔

یہاں سے نکل کر ہم نے عہد سلجوقی وعثمانی کی متعدد مسجدوں کی زیارت کی، اور تقریبا ہر مسجد میں تحیۃ المسجد ادا کی۔

استنبول کی فتح تو عہد عثمانی ہی کی یادگار ہے اس لئے وہاں اس سے ما قبل دور کی کوئی اسلامی عمارت موجود نہیں لیکن قونیہ اس سے قبل ہی اسلام کے زیر سایہ آچکا تھا، اور یہاں ایک مدت تک سلجوقیوں کی حکومت رہی ہے، اس لیے یہاں عہد سلجوقی کی بھی متعدد مسجدیں موجود ہیں جو عثمانی طرز تعمیر سے بالکل مختلف ہیں، ان مساجد میں عام طور پر اس کے بانی یا جس بادشاہ کے عہد میں اس کی تعمیر ہوئی اس کا نام کسی جگہ بورڈ پر یا دیوار پر کندہ نظر آتا ہے، جن جن مسجدوں کی سیاحت کی ان تمام کے نام حافظہ میں محفوظ نہیں رہے، ایک مسجد میں جس کا عربی ترجمہ ہمارے رہنما نے مسجد الخیاط بتایا تھا وضو خانہ میں ایک عجیب تعمیری صنعت کا مشاہدہ ہوا جو لکھنؤ کی مشہور عمارت بھول بھلیاں میں گھومنے والوں کو ہوتا ہے، کہ ایک ستون کے پاس کی ہلکی آواز بھی سامنے کے ستون میں مائک کی طرح سنائی دیتی ہے، عہد اسلامی کے فن انجینئرنگ کے نمونے اس دور ترقی وٹیکنالوجی نے بھی کیا دیکھے ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ ترکی ایسا ملک ہے جہاں بیٹھ کر اور صرف اس کی عمارتوں کو دیکھ کر مسلم عہد حکومت کے فن تعمیر اور سول انجینئرنگ کی پوری تاریخ لکھی جاسکتی ہے، اور فن کی تدوین سے پہلے مسلمانوں کے یہاں یہ فن کس عروج پر تھا اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، ان تعمیرات میں سے بیشتر اس دور کے ماہر معمار وانجینئر سنان کے کمالات کے مظاہر ہیں۔

ایک مسجد عزیزیہ ہے جو سلطان عبدالعزیز کی طرف منسوب ہے، ایک مسجد دروازہ ہے، یہ علاقہ کبھی پورے شہر کا دروازہ تھا اس لئے اس کو بھی دروازہ والی مسجد (مسجد الباب) کے نام سے شہرت ملی مختلف مسجدوں کی زیارت کرتے اور وہاں دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرتے ہوئے ہم لوگ حضرت روم کے مقبرہ پہنچے، تقریبا چالیس ترکی لیرہ فی کس ٹکٹ کی قیمت تھی، پورے وفد کی طرف سے ہمارے میزبانوں نے یہ مصارف ادا کئے، ٹکٹ لے کر ہم آگے بڑھے، مرقد حضرت روم کے حجرہ کے دروازہ پر بڑے حروف میں "یا حضرت مولانا" کا بورڈ آویزاں تھا، اندر داخل ہونے سے قبل ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ موزہ نما باریک سی پلاسٹک جو بڑی تعداد میں بالکل نئی رکھی رہتی ہے پہن لے اور وہاں سے واپس آکر اتار دے، داخل ہونے سے پہلے چپل اتار کر وہیں رکھ دے اور اس پلاسٹک کو پہن کر مقبرہ میں داخل ہو۔ اندر داخل ہوتے ہی دائیں جانب پہلے ترکی کے متعدد علماء ودیگر ممتاز حضرات کی قبریں ہیں، جن میں شیخ حسام الدین سوختہ کی بھی قبر ہے جو مثنوی میں حضرت روم کے مخاطب ہیں، دوسری طرف مثنوی کے اشعار بڑے بڑے فریم میں آویزاں ہیں۔ داہنی طرف کے آخری سرے پر وہ عظیم المرتبت ہستی آرام فرما ہے جسے دنیا مولانا روم کے نام سے جانتی ہے اور عقیدت ومحبت سے اس کا نام لیتی ہے، قبر پر چادر بھی ہے لیکن دور ہی سے لکڑی اور لوہے کا جنگلہ ہے، اس سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا، اس لئے قبر سجدہ اور دیگر خرافات سے محفوظ ہے، اور یہ چیز ترکی میں ہر بزرگ کے مزار پر نظر آئی۔ کاش ہندستان میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا۔ قبر پر عالم کے رمز کے طور پر سرہانہ عمامہ بندھا ہوا ہے جس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ قبر سے متصل ہی ایک انسان نما ستون نظر آیا، اس پر بھی عمامہ بندھا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ یہ ایک قصہ کی تمثیل ہے۔

حضرت روم کے والد کا معمول تھا کہ جب ان کے صاحبزادے ان کی زندگی میں ان کے سامنے آتے تو وہ اپنے عظیم المرتبت فرزند کے احترام میں ہمیشہ کھڑے ہوجاتے، مولانا روم نے وفات کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ ان کے والد کے پاس انہیں دفن نہ کیا جائے، لیکن لوگوں نے نہیں مانا اور والد سے متصل ہی ان کی قبر کھودی گئی، جیسے ہی جنازہ وہاں رکھا گیا ان کے والد قبر سے نکل کر بیٹے کے احترام میں کھڑے ہوگئے، اسی واقعہ کی یاد کے لئے اس کو تمثیلی شکل دی گئی ہے۔ اس احاطہ میں متعدد قبور کے علاوہ موئے مبارک بھی ایک شوکیس میں ہے جس سے بھینی بھینی خوشبو نکلتی رہتی ہے، اور بھی دیگر محظوظے اور تبرکات ہیں، خود، تلواریں اور دیگر اشیاء ہیں۔ حجرہ سے باہر نکلے تو پورے احاطہ میں گھومنے کا موقع ملا، چاروں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں، کچھ میں تبرکات محفوظ ہیں، مولانا روم کا طریقۂ مولویہ وہاں بہت مقبول ہے، اس کے افراد اس وقت سے اب تک یہاں آمد ورفت رکھتے ہیں۔ ایک بڑے ہال میں سماع اور لنگر کے تمثیلی مناظر کی تصویریں اس دور کا نقشہ پیش کررہی تھیں۔ بہت بڑا احاطہ ہے جو ہندوستان کی کسی بڑی سے بڑی خانقاہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

قونیہ میں مزید دو تین دن رہنے اور طلاب النور کے مختلف قیام گاہوں اور مدارس کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اسی دوران وہاں کے اہل علم اور علماء سے ملاقات کی کوشش کی گئی معلوم ہوا کہ دو عالم بہت معروف ہیں، ایک مفتی شہر، اتفاق سے وہ موجود نہیں تھے اس لئے ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ دوسرے ایک خانقاہ کے بزرگ تھے، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا کون سا سلسلہ ہے۔ موصوف کا نام ابراہیم خضر ہے، وہاں کے مشائخ میں ہیں، ان کا جو مدرسہ ہے اس میں عربی قواعد اور مبادیات کی تعلیم ہوتی ہے، طلبہ موجود تھے، ہم لوگ وہاں شیخ کے انتظار میں بیٹھ گئے، وہ قدرے انتظار کے بعد تشریف لائے، سب سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے، کم از کم ایک دن تو اپنا وقت ہم کو دیجئے، پھر انہوں نے ہندوستان میں اپنے سفر کیرالا کا ایک واقعہ سنایا کہ وہاں سیاحت کے دوران ایک مندر میں جانا ہوا، لوگ ڈھول بجا رہے تھے، میں نے ان سے ڈھول لے کر اس پر لاالہ الا اللہ اپنی لے میں پڑھا (اور اسی طرح موصوف نے پڑھ کر بتایا) تو وہاں موجود نو آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ موصوف کے یہاں دف دیکھ کر اندازہ ہوا کہ شاید سماع کی محفل بھی ہوتی ہے، اس دوران اس کا تذکرہ آیا اور پھر احباب نے نعت سنانے کی فرمائش کی، کئی طلبہ دف لے کر بیٹھ گئے اور ایک بہت اچھی عربی نعت دف پر سنائی، دو چار شعر کے بعد پہلے مصرعہ کی تکرار میں تمام طلبہ دف کے ساتھ آواز ملاتے، بڑا دلچسپ سماں تھا، کچھ دیر یہ محفل قائم رہی، اخیر میں میر قافلہ کو خانقاہی روایت کے مطابق دوشالہ اڑھایا گیا، اور ہر فرد کو الگ الگ ہدیہ سے نواز کر رخصت کیا۔ وہاں سے نکل کر ہم لوگ شہر اسپارٹا کے لیے روانہ ہوئے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

نویں قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی —— کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات میں وقوف کے لیے حاضر حاجیوں کو اللہ تعالیٰ کا کرم بے حساب اپنی آغوش رحمت میں لینے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے، اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کے غضب پر غالب آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا لطف بے کراں پکار پکار کہتا ہے:

''میرے اطاعت شعار بندو! تم بہت مشکلیں اور صعوبتیں اٹھا کر میری خوش نودی کی خاطر بہ صد حال پریشاں میدان عرفات میں حاضر ہوئے ہو، آج تم سب میرے مہمانان عزیز ہو، تم میری ضیافت میں ہو، تمہاری میزبانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی، آج میرے خزانۂ رحمت ومغفرت سے جس قدر ثواب کی نعمتیں سمیٹنا چاہو سمیٹ لو! آج میں نے اپنی رحمتِ بے انتہا سے تمہاری تمام خطائیں معاف کر دیں اور تمہارے سیاہ نامۂ اعمال پر خط تنسیخ کھینچ دیا، میں آخرت میں تمہیں جنت الفردوس عطا کروں گا۔''

فرط مسرت میں گوش دل سے اللہ تعالیٰ کا مژدۂ جاں فزا سن کر اپنے خیمے کے حاجیوں کی صف میں کھڑے ہو کر سب سے پہلے ناچیز روسیاہ نے نہایت ہی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خاتمہ بالخیر اور گناہوں سے مغفرت کی التجا کی، پھر خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے مالک حقیقی سے دعائیں کیں کہ: الٰہی! تو میرے والدین کے ساتھ رحمت وشفقت کا سلوک فرما، ان کے گناہوں کو معاف کر کے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما اور آخرت میں ان کے درجات بلند کر دے، کیوں کہ انہیں کی نیم شبی دعاؤں کے طفیل تو نے ناچیز سیہ کار کو وادیٔ عرفات حاضر ہونے کی سعادت بخشی۔

ناچیز نے وقوف عرفہ کے دوران میں اپنے اہل وعیال کے لیے دین اسلام پر ثبات اور دین و دنیا میں ان کی

فلاح وکامرانی اور ایمان پر خاتمے کی دعائیں کیں، پھر اپنے خاندان کے جملہ افراد تمام حضرات اساتذہ اور مسلمانوں کے لیے دعائے استغار کی، جو اپنے مولائے حقیقی کے جوار رحمت میں جا چکے ہیں، اس کے بعد اپنے خویش واقارب اور احباب کے لیے دعائے خیر کی۔

اخیر میں ناچیز نے رب کعبہ سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے فوز وفلاح، ان میں اتحاد واتفاق اور مہر واخوت کی فکر صحیح اور دنیا کے تمام انسانوں میں احترام انسانیت کا جذبہ صالح پیدا کرنے کی درخواست کی، ابھی ہم ذکر ومناجات میں ہی ہمہ تن مشغول تھے کہ باران رحمت کے قطرے ہمارے جسم وجاں کو تر کرنے لگے اور مغفرت کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں ہر بن و مو کو سکون وآرام پہنچا کر قبولیت حج کی بشارت دینے لگیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲ء-۱۹۷۷ء) نے لکھا ہے:

''بزرگوں سے سنا ہے کہ عرفات کی بارش حج کی قبولیت کی علامت ہے''۔۔۔(۱۲۸)

سبحان اللہ، یہ کس قدر مسرت کا مقام ہے کہ عرفات میں مناجات واستغفار ہی کے دوران میں اللہ کی رحمت ومغفرت کی بارش نے ہماری سیہ کاریوں کی سیاہیاں دھوڈالیں، شاید ایسے ہی موقع کے لیے کسی شاعر نے کہا ہے:

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہ گار یہ کہہ دے، گناہ گار ہوں میں

ابھی ہم محوِ مناجات ہی تھے کہ آفتاب، سمت مغرب میں اپنا چہرۂ ضیاپاش چادرِ شب میں چھپانے لگا، پھر ہماری جماعت دعاؤں سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ عرفات کے میٹرو اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگی، یہ اسٹیشن حدود عرفات ہی میں ہے، جب ہم پلیٹ فارم پر پہنچے تو آفتاب غروب ہو چکا تھا، شدید ہجوم کے باعث بہت انتظار کے بعد بہ دقت تمام ہم میٹرو پر سوار ہو کر مزدلفہ اسٹیشن پر پہنچے، ہم نیچے اترے اور تقریباً ایک کیلومیٹر پیدل چل کر مزدلفہ کے اس قطعہ ارض پر پہنچے جہاں شاید ہندوستانی حجاج کرام کو رات گزارنی تھی، ہم نے ایک درخت کے پاس چادریں بچھائیں، سامان رکھا، پھر وضو کیا اور اپنے رفقائے حج کے ساتھ ایک اذان اور ایک اقامت کے ذریعہ عشا کے وقت میں پہلے مغرب کی نماز اور اس کے فوراً بعد عشا کی نماز باجماعت ادا کی، اس کے بعد مغرب اور عشا کی سنتیں اور وتر کی نمازیں پڑھیں۔

اگر مزدلفہ میں مغرب کی نماز کے بعد مغرب کی سنت پڑھی گئی، تو عشا کی جماعت کے لیے الگ سے اقامت کہنا مسنون ہے۔۔۔(۱۲۹)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ ایام حج میں ۹/ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات آتے تھے اور رات میں واپس آکر مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے، ایک زمانے تک یہی طریقہ رائج رہا،

مگر جب قریش کا تسلط ہوا تو انہوں نے اپنی شانِ امتیاز قائم کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ ہم عام اہل عرب کی طرح عرفات نہیں جائیں، بلکہ ہم اہل قریش مزدلفہ ہی تک جائیں اور وہیں سے پلٹ آئیں گے، چناں چہ اہل قریش مزدلفہ ہی تک جاتے رہے، بنی خزاعہ بنی کنانہ اور وہ دوسرے قبائل جن کے قریش سے شادی بیاہ کے رشتے تھے، انہوں نے بھی قریش کے طرز عمل کی پیروی کی اور وہ بھی مزدلفہ ہی تک جاتے رہے، اسلام آیا تو اس نے از سرِ نو سنت ابراہیمی کو زندہ کیا۔۔۔(۱۳۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ۔(البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ : پھر جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو، اور اس طرح یاد کرو، جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشعر حرام سے مراد سارا مزدلفہ ہے۔۔۔(۱۳۱)

چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے موجودہ مسجد ''مشعر حرام'' کی سمت قبلہ میں قیام فرمایا اور مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔۔۔(۱۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے حجاج کرام غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ آ کر قیام کرتے ہیں اور یہاں مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔

عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا حکم ہے، مگر دونوں مقامات پر جمع بین الصلاتین کرنے میں مندرجہ ذیل پانچ باتوں کا فرق ہے:

(۱) مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں عشا کے وقت میں پڑھنا واجب ہے، مگر عرفات میں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرنا واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔

(۲) مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرنے میں امام الحج یا اس کے نائب کے پیچھے اقتدا ضروری نہیں ہے، لیکن عرفات میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امیر الحج یا اس کے نائب کی اقتدا لازم ہے۔

(۳) مزدلفہ میں جمع کر کے نماز پڑھنے کے لیے جماعت لازم نہیں ہے، بلکہ تنہا تنہا بھی جمع کرنا جائز ہے، جب کہ عرفات میں جمع کرنے کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے۔

(۴) مزدلفہ میں جمع کر کے نماز پڑھنے کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت کافی ہے، مگر عرفات میں ایک اذان اور دو اقامت تمام ائمہ کے نزدیک مسنون ہے۔

(۵) عرفات میں مسجد نمرہ میں دونوں نمازوں سے پہلے خطبہ پڑھنا مسنون ہے، مگر مزدلفہ میں خطبہ مسنون نہیں ہے۔۔۔(۱۳۳)

نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات، شب مزدلفہ کہلاتی ہے، بعض فقہا اور محدثین کے نزدیک شب مزدلفہ کو شب قدر پر بھی فضیلت حاصل ہے، اس لیے شب مزدلفہ کو زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن حکیم اور ذکر واستغفار میں گزارنا چاہیے۔۔۔(۱۳۴)

مغرب اور عشا کی نماز سے فارغ ہو کر ناچیز اور دوسرے رفقائے حج نے ستو، بسکٹ اور پھل وغیرہ کھا کر کسی قدر آسودگی حاصل کرلی، بہت تھک گئے، اس لیے سو گئے۔

عرفات کی طرح مزدلفہ میں سعودی حکومت کی طرف سے کھانے پینے کا نظم نہیں رہتا ہے، اکثر حجاج کرام اپنے ساتھ ستو، بسکٹ اور پھل وغیرہ لے جاتے ہیں اور وہی چیزیں کھا کر رات گزار لیتے ہیں، وہاں شاید ہوٹل کا نظم بھی نہیں رہتا ہے، ہم لوگ جہاں ٹھہرے تھے، وہاں سے دور دور تک کوئی ہوٹل نظر نہیں آیا، البتہ وضو خانے اور بیت الخلا وغیرہ کا نظم کسی قدر ٹھیک ہی تھا، پینے کا پانی ہم ساتھ لے گئے تھے، اس لیے پیاس کی شدت سے محفوظ رہے، ویسے پینے کے لیے پانی کا نظم کیا گیا تھا۔

عرفات کی طرح مزدلفہ میں خیمے نصب نہیں کئے جاتے، کھلے آسمان سنگ ریزوں والی زمین پر چٹائی یا چادر بچھا کر اسی پر سو کر رات گزاری جاتی ہے، مزدلفہ کی زمین ہموار کر دی گئی ہے، اس لیے آرام کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، البتہ اگر موسلا دھار بارش ہو جائے تو کہیں سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں۔

چار کیلو میٹر طویل اور ۱۲،۲۵/ مربع میٹر پر محیط میدان مزدلفہ میں ہر طرف کالی کالی کنکریاں نظر آئیں، کہیں کہیں درخت بھی نظر آئے، شدید ہجوم میں بھی ناچیز کو مزدلفے کی فضا خوشگوار محسوس ہوئی۔

رمی جمرات کے لیے مزدلفہ ہی سے کنکریاں چن لینی چاہئیں، ناچیز اور دوسرے ساتھیوں نے یہیں سے ستر ستر کنکریاں چنیں اور ان کو صاف کر کے رکھ لیا۔

احناف کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے اور یہ وقوف دسویں ذی الحجہ (یوم النحر) کو طلوع فجر صادق کے بعد سے طلوع آفتاب سے پہلے ہی ادا کرنا لازم ہے، اگر کسی نے اس روز فجر صادق سے پہلے یا طلوع آفتاب کے بعد وقوف کیا تو اس کا واجب ادا نہیں ہوا، اس کا وقوف مزدلفہ چھوٹ گیا، اس پر دم (یعنی قربانی) کرنا لازم ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی ضرورت پیش آگئی تو وقوف مزدلفہ ساقط ہو جاتا ہے، اگر کوئی ضرورت نہ پیش آئے تو دسویں ذی الحجہ کی رات میں طلوع آفتاب سے پہلے کسی وقت بھی مزدلفہ آ کر کچھ دیر کے لیے رک گیا تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کے نصف لیل کے بعد منیٰ روانہ ہونے سے قبل کچھ دیر کے لیے بھی مزدلفہ میں آگیا تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔۔۔(۱۳۵)

گویا وقوف مزدلفہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سب کے نزدیک واجب ہے اور اس کو بلا عذر چھوڑنے سے سب کے نزدیک دم واجب ہو جاتا ہے۔(۱۳۶)

بہر حال دسویں ذی الحجہ کو ہم تمام رفقائے حج فجر سے پہلے اٹھ گئے، قضائے حاجت سے فارغ ہوئے، پھر وضو کیا، جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر عرفات ہی کی طرح الحاح وزاری کے ساتھ ذکر واستغفار اور دعائیں کیں، کیوں کہ مزدلفہ کا یہ وقت پرُ سوز بھی قبولیت دعا کا وقت عزیز ہوتا ہے۔

عباس بن مرداس کی یہ روایت ہے:

عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہ پہر کے وقت اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ ظالموں کے سوا تیری امت کو میں نے بخش دی، ظالموں سے مظلوموں کا ضرور بدلہ لیا جائے گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عرض کیا: اے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے کر اس پر راضی کر سکتا ہے کہ وہ ظالم کو معاف کر دے، اور تو ظالم کی بھی مغفرت کر دے، اللہ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں ملا، یہاں تک کہ عرفات سے مزدلفہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی دعا کی، اس وقت یہ دعا قبول ہوگئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرت سے ہنس پڑے یا آپ نے تبسم فرمایا۔(یہ منظر دیکھ کر) حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناجات ودعا کے وقت نہیں ہنستے، اللہ آپ کو ہنستا ہی رکھے، اس وقت آپ کو کیسے ہنسی آئی؟ آپ نے فرمایا کہ: جس وقت اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی اور میری تمام امت کو بخش دیا، تو اس نے زمین سے خاک اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور غم وغصہ سے لوٹنے لگا، اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔(۱۳۷)

دیکھئے جو چیز عرفات میں نہیں ملی تھی وہ مزدلفہ میں مل گئی، اس لیے قبولیت دعا کے اعتبار سے مقام مزدلفہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں۔

بہر طور جب ہم لوگ وقوف مزدلفہ کی مناجات ودعا سے فارغ ہوئے تو آفتاب طلوع ہو رہا تھا، ہم نے ہلکا ناشتہ کیا اور منیٰ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے، کچھ دیر انتظار کیا کہ منیٰ کے لیے کوئی سواری مل جائے، جب سواری نہیں ملی تو پیدل مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے، مزدلفہ سے منیٰ تقریباً پانچ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

راستے بھر ناچیز یہی سوچتا رہا کہ عرفات میں اپنا قیمتی وقت غفلت میں ضائع کر دیا اور شب مزدلفہ خواب راحت کی نذر ہوگئی، مگر دوسرے صالح اور مخلص حاجیوں نے تلاوت اور ذکر ومناجات سے اپنی مراد کی جھولیاں بھر لیں اور ناچیز روسیاہ خالی ہاتھ جا رہا ہے:

ہم اٹھے دامن جھٹک کر اے روشنؔ
لوگ اپنی جھولیاں بھر کے چلے

—(روشن صدیقی مرحوم)

مگر نا چیز نے ہجوم یاس میں بھی امید کی رسی کو ہاتھوں سے نہیں چھوڑا اور

آیتِ لَا تَقْنَطُوْا سے دل کو بہلاتا رہا

سازِ دل پر نغمۂ صَلِّ عَلٰی گاتا رہا

راستہ چوں کہ دیکھا ہوا نہیں تھا، اس لیے ہر موڑ پر رہنمائی کی ضرورت پیش آتی رہی، سعودی حکومت کی طرف سے متعین رضا کاروں نے ہماری رہنمائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، تقریباً تین گھنٹے میں ہم لوگ منیٰ میں اپنے خیمے کے اندر پہنچے۔

دسویں ذی الحجہ حج کا تیسرا دن ہوتا ہے، دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کے دوران میں جو امور حج انجام دیئے جاتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) رمی جمرات، (۲) قربانی کرنا، (۳) حلق یا قصر یعنی بال منڈانا یا کترانا، (۴) طواف زیارت۔

اول الذکر تینوں واجب ہیں اور آخر الذکر یعنی طواف زیارت حج کا ایک اہم رکن ہے، ان چاروں امور کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔۔۔(۱۳۸)

جمرات :

یہ جمرہ کی جمع ہے، جمرہ چھوٹی کنکری کو کہتے ہیں، رمی کے معنی آتے ہیں پھینکنا، رمی جمرات کے معنی ہیں کنکریاں مارنا، رمی جمرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جس کی اتباع اسلام میں واجب ہے، روایتوں میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذبح کرنے کے لیے چلے تو شیطان نے تین مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو روکنا چاہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تینوں مقامات پر شیطان کو کنکریاں ماریں، انہیں مقامات کو ''جمعرات'' کہا جاتا ہے، ان مقامات پر گول دائروں میں تین ستون بنا دیئے گئے ہیں، یہ ستون دراصل ان مقامات کی تعیین کے لیے علامتی نشان ہیں، ان تینوں ستونوں کو لوگ شیطان کہتے ہیں، ان میں سے پہلا ستون جو مکہ سے آتے ہوئے سب سے پہلے منیٰ کے کنارے پڑتا ہے، اس کو جمرۂ عقبہ اور جو بیچ میں پڑتا ہے، اس کو جمرۂ وسطیٰ اور تیسرے کو جمرۂ ادنیٰ کہا جاتا ہے۔۔۔(۱۳۹)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ "۔(ممتحنة:۴)

ترجمہ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حج کے دوران میں رمی جمرات کی اور فرمایا:

"خذوا عنی مناسککم"

ترجمہ : مجھ سے احکام حج سیکھو۔

پتھر کے درج بالاستونوں کو کنکریاں مارنے سے دراصل شیطان کی تذلیل وتحقیر ہوتی ہے، اسی لیے دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو قیام منیٰ کے دوران میں رمی کرنا اسلام میں لازم قرار دیا گیا ہے۔(۱۴۰)

دسویں ذی الحجہ کو پیدل چل کر ہمارا قافلہ منیٰ میں اپنے خیمے میں زوال سے پہلے پہنچ چکا تھا، آج کے دن سورج نکلنے کے بعد سے زوال آفتاب تک جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا افضل ہے، زوال کے بعد بھی بلا کراہت جائز ہے، مگر غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے، اگر زیادہ بھیڑ ہو تو غروب آفتاب کے بعد بھی مکروہ نہیں ہے۔(۱۴۱)

ناچیز ناتوانی کے باعث تقریباً تین گھنٹے پیدل چل کر بہت تھک چکا تھا، اس لیے ناچیز نے جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے اپنے رفیق حج مولانا محمد فاروق صاحب (مغربی چمپارن) کو اپنا نائب مقرر کر دیا، معقول عذر ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، ہمارے خیمے سے تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر جمرۂ عقبہ پڑتا تھا، شدید تکان کی وجہ سے چلچلاتی دھوپ میں وہاں تک جانا ناچیز کے لیے دشوار تھا۔

(جاری)

مآخذ اور حواشی :

(۱۲۸) مولانا عبدالماجد دریابادی، سفر حجاز، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ص: ۲۶۱۔

(۱۲۹) مفتی شبیر احمد قاسمی، انوار مناسک، مکتبہ صوت القرآن دیوبند، ص: ۴۳۶۔

(۱۳۰) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد اول، مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، ص:

(۱۳۱) ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی، تاریخ مکہ مکرمہ، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ، ص: ۱۲، بحوالہ ابن کثیر جلد اول، ص: ۳۵۲، اخبار مکہ للفاکہی حدیث نمبر: ۹۹۶۲۱، اسنادہ حسن۔

(۱۳۲) حوالہ بالا، ص: ۱۲۰۔

(۱۳۳) مفتی شبیر احمد قاسمی، انوار مناسک، مکتبہ صوت القرآن دیوبند، ص: ۴۳۶، ۴۳۷۔

(۱۳۴) مولانا عبدالماجد دریابادی، سفر حجاز، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ص: ۲۶۳۔

(۱۳۵) مفتی شبیر احمد قاسمی، انوار مناسک، مکتبہ صوت القرآن دیوبند، ص: ۴۴۶، ۴۴۷۔

(۱۳۶) حوالہ بالا، ص: ۴۴۶۔

(۱۳۷) الامام الحافظ ذکی الدین بن عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، الترغیب والترہیب، ج: ۲، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، دارالفکر بیروت۔

(۱۳۸) مفتی شبیر احمد قاسمی، انوار مناسک، مکتبہ صوت القرآن دیوبند، ص: ۴۵، ۴۶۔

(۱۳۹) ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی، تاریخ مکہ مکرمہ، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ، ص: ۱۱۶، ۱۱۷۔

(۱۴۰) حوالہ بالا، ص: ۱۱۶۔

(۱۴۱) مفتی شبیر احمد قاسمی، انوار مناسک، مکتبہ صوت القرآن دیوبند، ص: ۴۷۳، ۴۷۴۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

قند فارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

نہ چون بینم شب و روزم ضیاء چہر تاب این جا ۞ کہ ہر سو جلوہ دہ آن ماہ تاب و آفتاب این جا
زفیض آستان او نشد محروم کس ہرگز ۞ کہ ہر کس می رسد گردد بمقصد کامیاب ایں جا
چرا بال ہما و چتر شاہی بر سرم گردد ۞ مرا بس سایۂ ساقیست چون مثل سحاب ایں جا
تبسم زیر لب لطف نگاہش عفو عصیانست ۞ خلاصہ این کہ استیلائے رحمت بر عتاب ایں جا
بعشقت ہمت آن دارند ہر پیرانہ سر ایں جا ۞ می آموزند درس عشق چون عہد شباب ایں جا
ازان نورے کہ مَنۡ یَّمۡشِیۡ بِهٖ فِی النَّاسِ بِالۡبُشۡرٰی ۞ چہ او را حاجت اے مہر فلک از تو متاب ایں جا
مکن عجلت کہ ہر کار است مَرۡهُوۡنٌ بِاَوۡقَاتِهٖ ۞ نہ تاخیر است یک لمحہ نہ یک لمحہ شتاب ایں جا
چہ سازم ز دکمند زلف پیچان بہر صید من ۞ نگہ در حیرت آمد گشت دل در پیچ و تاب ایں جا
نگاہش بر عمل ہرگز نمی اُفتد درین منزل ۞ خلوص دل رضائے اوست معیار ثواب ایں جا
نہ مخلوط العمل باشد نہ کارِ خیر و شر دارد ۞ چہ ساز د محتسب او را ازین سادہ کتاب ایں جا
لزوم زہد و طاعت امتثالاً در عمل باشد ۞ اگر چہ بہر تخفیف است ایصال ثواب ایں جا
باین انداز تیر از دل بروں می آرد آن نازک ۞ کہ گویا می کشد کس سیخ از تازہ کباب ایں جا
نہ چون گردد نگہہ خیرہ، نہ چون مدرک بود عاجز ۞ چو صدہا پردہائے نور اسباب حجاب ایں جا

نہ چون گویم کہ ہر مشکل ترا آسان شود ثاقبؔ
بیک دور نگاہش چون بود صد فتح یاب ایں جا

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

نعت شریف

● امان خاں دلؔ ـــ شوگر لینڈ، ہیوسٹن، امریکہ

مجھ کو دیوانۂ محبوبِ خدا کہتے ہیں ❁ ہوش والے ہیں جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
نام رضوان نے پوچھا تو بتایا میں نے ❁ مجھ کو سرکارِ مدینہ کا گدا کہتے ہیں
کہنے والو وہ بشر ہیں پہ ذرا سوچو تو ❁ شاہِ لولاک کو ایسا بھی بھلا کہتے ہیں
ایسے ویسوں کی نہ سن غیر کی باتوں پہ نہ جا ❁ ''ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں''
اسم احمد ہے فقط خلق میں رحمت والا ❁ جس کو سنتے ہیں تو ہم صلِ علیٰ کہتے ہیں
اپنے دربار کی آقا نے حضوری بخشی ❁ نعت گوئی کا اسی کو تو صلہ کہتے ہیں
ہم غرض مند ہیں نعتوں سے غرض اُن کو نہیں ❁ نعت کہنے کو بھی ہم کارِ وفا کہتے ہیں

اک نظر ان کی بہت ہے مجھے لیکن اے دلؔ
ابرِ رحمت جو برس جائے تو کیا کہتے ہیں

* * * * * * * * * *

نعت پاک

● وارث ریاضی ـــ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، مغربی چمپارن

شمیم خلق سے دنیا کو مہکاتا ہوا آیا ❁ جہاں میں پرچم اسلام لہراتا ہوا آیا
وہ اک اُمّی حریم کن فکاں کے راز کا محرم ❁ رموز گلشن کونین سمجھاتا ہوا آیا
اندھیرا ہر طرف دنیا میں تھا شرک و توہم کا ❁ خدا کی آگہی کا نور برساتا ہوا آیا
فضاؤں کو کیا معمور وحدت کے ترانوں سے ❁ دل گیتی کو سوزِ حق سے گرماتا ہوا آیا
عمل سے، قول سے، اخلاق کی دلکش اداؤں سے ❁ فجور و فسق کی دنیا کو شرماتا ہوا آیا
وفا کا، صدق کا، انصاف کا، عفو و ترحم کا ❁ صفا کا راستا دنیا کو دکھلاتا ہوا آیا
بہت ہی دل کش و اعلا اصول زندگی لے کر ❁ نظام کہنۂ عالم کو ٹھکراتا ہوا آیا
علم بردار حق، انسانیت کا رہبر اعظم ❁ رہِ حق میں ہر اک باطل کو چونکاتا ہوا آیا
وہ فخر نوعِ انساں، ساقیِ مے خانۂ عرفاں ❁ مئے رشد و ہدا کا جام چھلکاتا ہوا آیا
جہاں کا ہر بشر الجھا تھا خود اپنے مسائل میں ❁ وہ انسانوں کی ہر گتھی کو سلجھاتا ہوا آیا

خدائے دو جہاں کا آخری پیغام بر وارثؔ
گھٹا حکمت کی دنیا بھر میں برساتا ہوا آیا

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ..... کچھ دوسروں کی

زرعی قوانین کا فتنہ :

ایک طرف جہاں پورا ملک کرونا جیسی مہلک بیماری میں گھرا ہوا بے چین اور پریشان تھا وہیں یہ ناعاقبت اندیش حکومت اپنے پوشیدہ اور ظاہر عزائم سے پورے ملک کو پریشان کر رہی تھی۔ برسر اقتدار جماعت نے ملک کے ایوان نمائندگان میں اپنی عددی برتری کا فائدہ اٹھا کر تین ایسے زرعی قوانین پاس کرالیے، جن کا راست اثر پورے ملک کے کسانوں پر پڑنے والا ہے۔ ملک کے کسان جو سبھوں کے لیے غلہ پیدا کرتے ہیں اور جن کی محنتوں سے ملک کا پیٹ بھرتا ہے، ان قوانین کے پاس ہونے سے تلملا گئے اور حکومت سے فریاد کرنے لگے کہ یہ قوانین کسانوں کے مفاد میں نہیں، بلکہ انہیں سخت نقصان پہنچانے والے ہیں، اس لیے وہ کسی قیمت پر اُسے قبول کرنے والے نہیں۔ مخالفت کی یہ آواز کسانوں کی طرف سے دھیرے دھیرے اُٹھی، کسان، تنظیمیں بنا کر اس میں شامل ہوتے گئے اور پھر یہ ایک طاقتور احتجاج کی شکل میں پورے ملک میں پھیل گئی۔ حزب مخالف بھی اس میں شامل ہوگیا اور اس طرح یہ احتجاج کرونا کی طرح وبائی بن گیا جو حکومت کے لیے دوسرا سب سے بڑا دردسر رہا۔ حکومت نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ چھوٹا سا پنجاب سے اٹھنے والا احتجاج ملک گیر شکل اختیار کرلے گا، سیکڑوں مرد، عورتیں، بچے ملک کے دور دراز علاقے سے چل کر دلی ہریانہ کے بورڈر پر پہنچے اور وہاں ڈٹ گئے، حکومت کی ہر ممکن کوشش انہیں منانے کی ناکام ہوئی، وہ اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے، ایسی جان لیوا سردی اور کڑاکے کی ٹھنڈک بھی انہیں میدان چھوڑنے پر مجبور نہ کرسکی۔ حکومت بضد رہی کہ کسی قیمت پر وہ زرعی قوانین کو واپس نہیں لے گی، جب کہ کسانوں کا

مطالبہ ہے کہ وہ زرعی قوانین کی واپسی کے علاوہ کچھ سننے کو تیار نہیں ہیں۔ محاذ آرائی ابھی جاری ہے۔ حکومت ٹال مٹول کی پالیسی اپنا کر مسئلہ کو حل کرنا نہیں چاہتی لیکن کسان جانیں دے کر بھی اپنے مطالبات کو منوانا چاہتے ہیں۔ دیکھیں فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے، عزم وحوصلہ اور پرامن جدوجہد کی فتح ہوتی ہے یا غرور، ضد اور ہٹ دھرمی جیت جاتی ہے۔

جلسۂ فاتحۂ فراغ ودستار فضیلت :

مورخہ: ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ر جنوری ۲۰۲۱ء عرس پنج پیراں قدست اسرارہم کے حسین موقع پر دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان تقریب بنام ''جلسۂ فاتحۂ فراغ ودستار فضیلت'' انعقاد پذیر ہوئی، جس میں علما ومشائخ، زائرین عرس اور مجمع کثیر کے مابین جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی زیب سجادہ خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کے مبارک ہاتھوں سے فضلائے نو فارغین کے سروں پر دستار فضیلت سجائی گئی اور انہیں اسناد فراغت وتکمیل درسیات سے نوازا گیا۔

یہ بابرکت جلسہ جناب حضور زیب سجادہ مدظلہ العالی کی سرپرستی میں منعقد ہوا، سب سے پہلے مولوی شہزاد علی نے تلاوت کلام مجید سے جلسہ کا آغاز کیا، پھر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حافظ غلام یزدانی نے نعت شریف پیش کی، اس کے بعد مولانا شاہ بدر احمد مجیبی مدظلہ العالی نے حضرت امام محمد بن اسمعیل بخاری رحمہ اللہ کے حالات، صحیح بخاری اور بخاری کی آخری حدیث پر مختصر مگر جامع اور مدلل روشنی ڈالی، آپ نے جو خطاب کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری خراسان کے شہر بخارا میں شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی نشو ونما مکہ میں ہوئی۔ طلب حدیث کے لئے آپ نے عراق، بغداد، دمشق، بصرہ، کوفہ، مدینہ، شام، خراسان، خوارزم، نیشاپور وغیرہ بے شمار بلاد وامصار کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیث حاصل کی۔ امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام علی بن المدینی، امام یحیی بن معین اور دیگر اکابر محدثین آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ آپ کے تمام شیوخ حدیث کی تعداد ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) بتائی جاتی ہے۔

امام بخاری بڑے عظیم محدث تھے۔ حفظ حدیث میں ان کو بڑے بڑے محدثین پر تفوق حاصل تھا۔ فراغت کے بعد ہی ان کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا تھا۔ دور دراز علاقہ سے حدیث حاصل کرنے کے لئے طالبین حدیث ان کے پاس پہنچتے۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ ایسے افراد جو خود ممتاز ونمایاں تھے ان کے درس میں شامل ہوتے اور استفادہ کرتے۔ امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی جیسے صحاح ستہ کے تین ارکان، امام ابن خزیمہ، امام محمد بن نصر مروزی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل جو خود ان کے استاذ ہیں فرماتے ہیں کہ ''خراسان کی سرزمین نے محمد بن اسماعیل جیسا شخص پیدا

نہیں کیا۔'' امام بخاری کی معلومات حدیث اور حافظہ کو دیکھ کر اس زمانے کے علماء کہتے ۔ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں جو زمین پر چلتی ہوئی نظر آتی ہے ۔ سیدنا امام بخاری نے عید کی شب ۲۵۶ھ میں اس دار فانی کو الوداع کہا۔

امام بخاری کی تصنیفات کی تعداد کثیر ہے ۔ ان میں صحیح بخاری کو اپنی خصوصیات کی وجہ سے شہرت دوام حاصل ہوئی ۔ امام بخاری نے اپنے بعض اساتذہ کے مشورہ سے صحیح احادیث کا مجموعہ یکجا کرنا شروع کیا۔ اس مجموعہ میں شامل کرنے کے لئے بڑی سخت شرائط متعین کیں ۔ اسناد کے اعتبار سے ان شرائط پر اترنے والی احادیث کو ہی لیا۔ اس طرح بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد انہوں نے تمام ابواب سے متعلق احادیث صحیحہ کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ امت کے سامنے پیش کر دیا۔

صحیح بخاری کی تصنیف کے وقت امام بخاری کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی حدیث کو لکھنے سے پہلے اس کی صحت پر یقین کر لیتے پھر غسل کرتے ، دو رکعت نماز ادا کرتے ، اس کے بعد اس حدیث کو کتاب میں تحریر کرتے ۔ کتاب کی تصنیف کا آغاز مسجد حرام مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ابواب وتراجم مسجد نبوی میں منبر نبوی اور روضہ اقدس کے درمیان لکھے گئے ۔

احادیث کی کتابوں میں صحیح بخاری کا بہت اونچا مقام ومرتبہ ہے ۔ اس سے قبل احادیث کے جو مجموعہ تیار ہوئے تھے ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا تھا۔ ان میں اسناد کے لحاظ سے صحیح ، حسن ، ضعیف ہر طرح کی احادیث جمع تھیں ۔ صحیح بخاری میں پہلی بار صحت کے التزام سے احادیث جمع کی گئی تھیں ۔ اس کے بعد دوسرے محدثین نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا۔ چنانچہ صحیح مسلم ، صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان وغیرہ جیسی کتابیں منظر عام پر آئیں ۔ لیکن امام بخاری کے کڑے شرائط کی وجہ سے صحت میں جو مقام صحیح بخاری کو ملا وہ کسی دوسری کتاب کو نہیں مل سکا۔ اسی لئے اس کو اہل علم کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ دیا گیا ہے ۔

دار العلوم خانقاہ مجیبیہ میں شروع سے ہی بخاری شریف کا درس ہوتا رہا ہے ۔ یہاں سے فارغ ہونے والے حضرات نے یہاں کے اکابر علماء سے صحیح بخاری کا درس لیا ہے ۔ ابھی جن خوش نصیب طلبہ کے سروں پر دستار فضیلت باندھی جائے گی انہوں نے حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم مجیبیہ سے بخاری کا درس لیا ہے ۔ ان کے وصال کے بعد حضرت صاحب سجادہ مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ العالی سے درس لیا ہے ۔ اب آخری حدیث پڑھ کر صحیح بخاری کی تکمیل کریں گے ۔

امام بخاری نے اپنی کتاب کی ابتداء حدیث انما الاعمال بالنیات سے کی ہے اور کتاب کا اختتام حدیث سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پر کیا ہے کیونکہ انسان کی زندگی دنیا سے شروع ہوتی ہے اور آخرت پر اس کا اختتام ہوتا ہے ۔ دنیا کے اعتبار سے انہوں نے پہلی حدیث پیش کی کہ دنیا میں تمام اعمال کو اچھی نیت سے کرنا چاہیئے ۔ اور آخرت کے اعتبار سے آخری حدیث پیش کی کہ توحید وتسبیح پر انسان کا خاتمہ ہونا چاہیے ۔ یہی حسن خاتمہ ہے ۔

حضرت مدظلہ العالی کے بیان کے بعد جناب حضور مدظلہ العالی نے بخاری شریف کا ختم کرایا، واضح ہو کہ ایک عرصہ سے دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف میں عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ امور انتظامیہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث کے عہدے پر بھی فائز رہے، سال گزشتہ بھی بخاری شریف آپ ہی کے زیر درس تھی، بخاری کی دونوں جلدیں آپ نے مکمل پڑھادی تھی، صرف چند صفحے رہ گئے تھے کہ آپ نے پیک اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے، باقی بچے صفحات کا درس جناب حضور مدظلہ العالی نے دیا۔

ختم بخاری کے بعد جناب حضور مدظلہ العالی نے چاروں فضلائے فارغین کو دستار فضیلت و اسناد تکمیل درس نظامی سے نوازا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی، اس جلسہ کی نظامت مولانا محمد سجاد حسین قادری نے کی اور قاری محمد منصف (مہتمم دارالعلوم)، مولانا محمد رمضان علی فرقانی، قاری محمد رمضان علی مجیبی و دیگر اساتذۂ دارالعلوم تقریب کی انجام دہی میں پیش پیش رہے۔

اسمائے فضلائے فارغین

(۱) مولوی حسین بہجت ابن حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

(۲) مولوی محمد شہزاد علی ابن مولانا محمد ضیاء الرحمن — شہریا، پورنیہ

(۳) مولوی محمد اصغر علی ابن محمد سعید الرحمن — سیواٹولی، پورنیہ

(۴) مولوی محمد علی اصغر ابن محمد جواد الحق — پندرپور، پورنیہ

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الثانی :

۱۹؍جمادی الثانی عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹؍تاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰؍جمادی الثانی عرس بانیٔ خانقاہ و دارالعلوم مجیبیہ حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹؍دن گزار کر شب ۲۰؍اور روز ۲۰؍کو قل و مجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رجب المرجب :

۶؍رجب کو فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ — بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کی مناسبت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہوتا ہے اور شب میں چراغاں ہوتا ہے۔ خانقاہ اور آستانہ اس رات شب معراج کی یاد میں چراغوں سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ بعد نماز عشاء قل اور بعدہٗ محفل سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ شعبان المعظم :

۲۶ر شعبان کو حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے وصال کی تاریخ میں فاتحہ اور بعد نماز عصر میلاد شریف ہوتا ہے۔ حضرت کا عرس ان کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۹ر جمادی الاولیٰ کو ہوتا ہے۔ ۲۹ر شعبان کو شب ۲۹ر اور روز ۲۹ر حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب انجام دی جاتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رمضان المبارک :

عرس حضرت مولائے کائنات سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ر رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم ﷺ وموئے مبارک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ر دن گزار کر شب ۲۱ر کو قل اور مجلس ہوتی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً (Upto 2730/08 Dec. 2020) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2020 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۰ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۱ء کا زر تعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں — تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : DARUL ESHA'AT

IFSC Code : CBIN-0282779

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Tel : (0612) 2250238

— سرکولیشن منیجر

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے— اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :60 | Oct., Nov. & Dec. 2020 | Sl.No. : 04
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

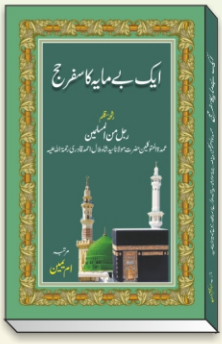

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی فخریہ پیشکش

ایک بے مایہ کا سفر حج

عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اشہب قلم سے ارقام شدہ ''سفر نامہ حج'' جو سہ ماہی مجلہ المجیب میں قسط وار شائع ہوا تھا، اب ان کی بڑی صاحبزادی ام یمین صاحبہ کی کاوش و ترتیب سے کتابی شکل میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

یہ سفر نامہ رہنمائے حج و زیارت ہے، واقعات سفر کا مرقع ہے، عشق نبوی اور دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و احترام کے سلسلے میں بزرگان پھلواری کا نمائندہ ہے اور خاموش رہنمائی کا ایک نمونہ بھی ہے، مرتبہ نے پیش لفظ کی ابتدا میں سفر نامہ کی اہمیت بیان کر کے صاحب سفر نامہ کی شخصیت پر مختصر اً روشنی بھی ڈالی ہے۔

حسن ترتیب، عمدہ طباعت، خوبصورت ڈیزائن اور قیمتی کاغذ سے مزین، ۲۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مجلد -/300 اور غیر مجلد -/250 روپے میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کریں۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)